اُردو

کُمار بھارتی

نویں جماعت

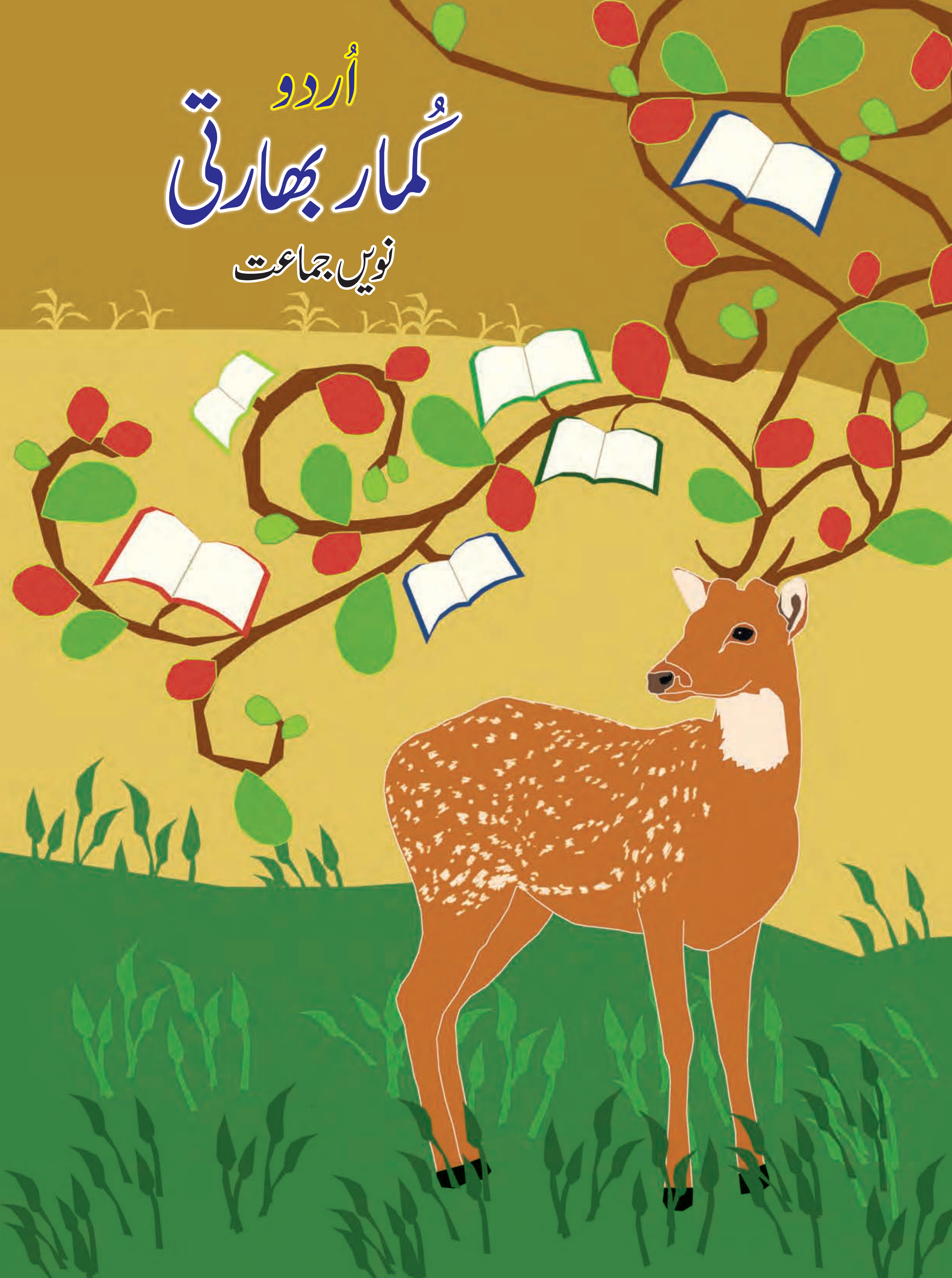

بھارت کا آئین

حصہ 4 الف

بنیادی فرائض

حصہ 51 الف

بنیادی فرائض – بھارت کے ہر شہری کا یہ فرض ہوگا کہ وہ...

(الف) آئین پر کاربند رہے اور اس کے نصب العین اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرے۔

(ب) ان اعلیٰ نصب العین کو عزیز رکھے اور ان کی تقلید کرے جو آزادی کی تحریک میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

(ج) بھارت کے اقتدارِ اعلیٰ، اتحاد اور سالمیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے ان کا تحفّظ کرے۔

(د) ملک کی حفاظت کرے اور جب ضرورت پڑے قومی خدمت انجام دے۔

(ہ) مذہبی، لسانی اور علاقائی وطبقاتی تفرقات سے قطع نظر بھارت کے عوام الناس کے مابین یک جہتی اور عام بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دے نیز ایسی حرکات سے باز رہے جن سے خواتین کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

(و) ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کرے اور اُسے برقرار رکھے۔

(ز) قدرتی ماحول کو جس میں جنگلات، جھیلیں، دریا اور جنگلی جانور شامل ہیں محفوظ رکھے اور بہتر بنائے اور جانداروں کے تئیں محبت وشفقت کا جذبہ رکھے۔

(ح) دانشورانہ رویے سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی و اصلاحی شعور کو فروغ دے۔

(ط) قومی جائداد کا تحفظ کرے اور تشدد سے گریز کرے۔

(ی) تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی بہتر کارکردگی کے لیے کوشاں رہے تاکہ قوم متواتر ترقی وکامیابی کی منازل طے کرنے میں سرگرمِ عمل رہے۔

(ک) اگر ماں باپ یا ولی ہے، چھے سال سے چودہ سال تک کی عمر کے اپنے بچے یا وارڈ، جیسی بھی صورت ہو، کے لیے تعلیم کے مواقع فراہم کرے۔

سرکاری فیصلہ نمبر : ابھیاس-۲۱۱۶/ (پر۔نمبر۱۶/۴۳) ایس ڈی-۴ مؤرّخہ ۲۵/اپریل ۲۰۱۶ء کے مطابق قائم کی گئی
رابطہ کار کمیٹی کی ۳/مارچ ۲۰۱۷ء کو منعقدہ نشست میں اس کتاب کو درسی کتاب کے طور پر منظوری دی گئی۔

مادری زبان کے نئے نصاب کے مطابق

اُردو

کُمار بھارتی

نویں جماعت

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

6GE16Z

اپنے اسمارٹ فون میں انسٹال کردہ Diksha App کے ذریعے درسی کتاب کے پہلے صفحے پر درج Q.R. code اسکین کرنے سے ڈیجیٹل درسی کتاب اور ہر سبق میں درج Q.R. code کے ذریعے متعلقہ سبق کی درس و تدریس کے لیے مفید سمعی و بصری ذرائع دستیاب ہوں گے۔

پہلا ایڈیشن : ۲۰۱۷ء
(2017)
پانچواں اصلاح شدہ ایڈیشن: ۲۰۲۲ء
(2022)

© مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ-۴
نئے نصاب کے مطابق مجلسِ مطالعات وادارت اور مجلسِ مشاورت نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ اس کتاب کے جملہ حقوق مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ کے حق میں محفوظ ہیں۔ کتاب کا کوئی بھی حصہ ڈائرکٹر، مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

مجلسِ مطالعات وادارت

- ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (صدر)
- سلیم شہزاد (رکن)
- سلام بن رزّاق (رکن)
- احمد اقبال (رکن)
- ڈاکٹر قمر شریف (رکن)
- مشتاق بونجکر (رکن)
- ڈاکٹر محمد اسداللہ (رکن)
- بیگم ریحانہ احمد (رکن)
- خان نویدالحق انعام الحق (رکن سکریٹری)

مجلسِ مشاورت

- فاروق سیّد
- خان حسنین عاقب
- اعظمی محمد یٰسین محمد عمر
- خان انعام الرحمٰن شبیر احمد

Co-ordinator:
Khan Navedul Haque Inamul Haque
Special Officer for Urdu, Balbharati

D.T.P. & Layout :
Sayyed Asif Nisar, Yusra Graphics,
Shop No. 5, Anamay Building,
305, Somwar Peth, Pune - 411 011
Cover :

Production
Shri Sachchitanand Aphale,
Chief Production Officer
Shri R. Chindarkar, Prod. Officer
Shri R. Pandloskar, Asstt. Prod. Officer

Paper: 70 GSM Creamwove
Print Order: N/PB/2022-23/0.03
Printer: S Graphix(I) Pvt.Ltd.,Thane

Publisher
Shri Vivek Uttam Gosavi
Controller,
M.S. Bureau of Textbook Production,
Prabhadevi, Mumbai - 400 025

پیش لفظ

عزیز طلبہ!

نویں جماعت میں آپ کا استقبال ہے۔ اس جماعت میں آپ کی آموزش کے لیے ’اُردو کمار بھارتی‘ آپ کو پیش کرتے ہوئے ہمیں بڑی مسرّت ہو رہی ہے۔ آپ پہلی جماعت سے اُردو زبان پڑھتے آ رہے ہیں۔ کئی مضامین اور نظمیں آپ نے پڑھی ہیں اور کئی مشہور و معروف مصنفوں کی تحریروں اور شاعروں کے کلام کا مطالعہ بھی آپ نے کیا ہے۔ گزشتہ کتابوں میں شائع کئی کہانیوں سے آپ لطف اندوز ہوئے اور آپ نے کئی سرگرمیاں مکمل کی ہیں۔ آپ اپنے اردگرد موجود تحریریں یعنی اخبارات و رسائل بھی پڑھتے ہوں گے۔ اب آپ نویں جماعت میں آ چکے ہیں جہاں آپ مزید معیاری مواد کی تعلیم حاصل کریں گے اور زبان کو سمجھنے کی آپ کی صلاحیت مزید فروغ پائے گی۔

اُردو صرف ایک مضمون کا نام نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ایک تہذیب جڑی ہوئی ہے۔ آپ اپنی روزمرہ زندگی میں ہمیشہ مادری زبان اُردو کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسکول میں آپ دیگر مضامین اُردو زبان ہی میں پڑھتے ہیں۔ زبان استعمال کرنے کے تعلق سے معیاری اُردو زبان کے استعمال پر زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔ آپ کو اُردو مضمون پر جتنا عبور حاصل ہوگا، دوسرے مضامین کو سمجھنا اتنا ہی آسان ہوگا۔

ہمارا مقصد آپ میں یہ خود اعتمادی پیدا کرنا ہے کہ آپ اپنی زبان کو بہتر طور پر استعمال کر سکیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ میں سوالات پوچھنے کی صلاحیت پیدا ہو، آپ نئے علوم وفنون حاصل کریں اور تخلیقی اندازِ فکر اپنائیں اور تخلیق سے مسرت حاصل کریں اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ درسی کتاب میں موجود مشقوں اور سرگرمیوں میں آپ زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ اس کتاب کی آموزش کے دوران آپ کو جو بھی مشکل یا پریشانی محسوس ہو بلاخوف اپنے استاد کے سامنے اس کا اظہار کریں۔ اس کتاب میں ایسی کئی سرگرمیاں شامل ہیں جن سے آپ بذاتِ خود علم حاصل کرنے کے قابل بن سکیں گے۔ ان سرگرمیوں میں آپ جتنا حصہ لیں گے اتنا ہی زیادہ آپ کے علم میں اضافہ ہوگا۔

کتاب کے مواد کے بارے میں آپ کے تاثرات جان کر ہمیں بہت خوشی ہوگی۔
سال بھر آپ کی آموزش مسرت بخش رہے، یہی ہماری اُمید ہے۔
آپ کی عمدہ تعلیم اور بہتر مستقبل کے لیے نیک خواہشات!

(ڈاکٹر سنیل مگر)
ڈائرکٹر
مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و
ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ-۴

پونہ۔
تاریخ: ۲۸/اپریل ۲۰۱۷ء، اکشے ترتیا
بھارتیہ سور: ۸/ویشاکھ ۱۹۳۹

بھارت کا آئین

تمہید

ہم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو
ایک مقتدر سماج وادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں
اوراس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں :
انصاف، سماجی ، معاشی اور سیاسی ؛
آزادی خیال، اظہار ،عقیدہ ، دین اور عبادت ؛
مساوات بہ اعتبارِ حیثیت اور موقع ،
اور ان سب میں
اُخوّت کو ترقّی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحّاد اور
سالمیت کا تیقّن ہو؛
اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبّیس نومبر ۱۹۴۹ء کو یہ آئین
ذریعۂ ہٰذا اختیار کرتے ہیں،
وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

راشٹر گیت

جَن گَن مَن - اَدِھ نایک جَیَہ ہے
بھارَت - بھاگیہ وِدَھاتا۔

پنجاب، سِندُھ، گُجرات، مَراٹھا
دراوِڑ، اُتکَل، بَنگ،

وِندھیہ، ہِماچَل، یَمُنا، گنگا،
اُچّھل جَل دِھ تَرَنگ،

تَو شُبھ نامے جاگے، تَو شُبھ آ شِس ماگے،
گاہے تَو جَیَہ گاتھا،

جَن گَن منگل دَایَک جَیَہ ہے،
بھارَت - بھاگیہ وِدھاتا۔

جَیَہ ہے، جَیَہ ہے، جَیَہ ہے،
جَیَہ جَیَہ جَیَہ، جَیَہ ہے۔

عہد

بھارت میرا ملک ہے۔ سب بھارتی میرے بھائی اور بہنیں ہیں۔

مجھے اپنے وطن سے پیار ہے اور مَیں اس کے عظیم و گونا گوں وِرثے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ مَیں ہمیشہ اِس ورثے کے قابل بننے کی کوشش کروں گا۔

میں اپنے والدین، استادوں اور بزرگوں کی عزّت کروں گا اور ہر ایک سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کروں گا۔

میں اپنے ملک اور اپنے لوگوں کے لیے خود کو وقف کرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ اُن کی بہتری اور خوش حالی ہی میں میری خوشی ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ

نویں جماعت کی یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، پچھلی نصابی کتابوں سے قدرے مختلف ہے کیونکہ بچوں کے لیے مفت اور لازمی حق تعلیم کے قانون ۲۰۰۹ء کے مطابق از سر نو مرتب شدہ تعلیمی نصاب ۲۰۱۲ء کی روشنی میں، تشکیلِ علم کے نظریے اور سرگرمیوں کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ سرگرمی شیٹ (امتحانی پرچے) کے مطابق اس کتاب کی مشقیں تیار کی گئی ہیں۔ لہٰذا تدریس کے دوران درج ذیل اُمور کا لحاظ رکھا جائے تو سیکھنے اور سکھانے کا عمل منفعت بخش ہوگا۔

۱۔ **درسی کتاب کے مشمولات :** مروّجہ طریقے کے مطابق اس کتاب میں نثر و نظم دو علیحدہ حصوں میں شامل ہیں۔ نثری اسباق شامل کرتے وقت نثری اصناف کا خیال رکھا گیا ہے۔ یعنی نثری اسباق میں داستان، افسانہ، انشائیہ، سفرنامہ، سوانح، ڈراما، لسانیات پر مبنی مضمون وغیرہ نثری اصناف کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہر سبق کے شروع میں 'پہلی بات' کے تحت ان اصناف کا تعارف دیا ہوا ہے تاکہ طلبہ سبق کی متعلقہ صنف سے بخوبی واقف ہو جائیں۔

اُردو نثر کے ابتدائی نمونے داستانی ادب میں ملتے ہیں۔ اس لیے 'باغ و بہار' کے 'سیر پہلے درویش کی' کے قصے سے ایک سبق لیا گیا ہے۔ میر امن دہلوی کی اس کتاب میں اُردو نثر کے اوّلین نمونے ملتے ہیں۔ 'باغ و بہار' اُنیسویں صدی کے پہلے عشرے میں لکھی گئی تھی اس لیے اس زمانے کے املا اور نثری اسلوب اور جدید نثری اسلوب میں فرق ہے۔ 'سیر پہلے درویش کی' سبق میں قصداً قدیم املا اور طرز کو جوں کا توں رکھا گیا ہے تاکہ طلبہ اُردو نثر کے قدیم و جدید فرق کو محسوس کریں۔ حصہ نظم میں سیّد غلام چشتی کی غزل بھی قدیم اُردو کا نمونہ ہے۔ اساتذہ اُردو کے ان قدیم نمونوں کو پڑھاتے وقت اُردو کے تاریخی مدارج کو بھی پیش کریں تاکہ طلبہ از خود سیکھنے کی طرف مائل ہوں اور زندگی بھر سیکھتے رہنے کا تصوّر ان میں پروان چڑھے۔

۲۔ **بغیر تناؤ کے اکتساب کا عمل :** کتاب کے نثری اور منظوم مشمولات کو دلچسپ اور زباندانی کے لحاظ سے آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے طلبہ تناؤ کے بغیر ان کا اکتساب کر سکیں گے۔ آپ کو دورانِ تدریس جماعت میں ایسا اکتسابی ماحول تیار کرنا ہوگا کہ طلبہ سبق میں دلچسپی لے کر از خود سیکھنے کی طرف مائل ہوں اور اپنے طور پر تشکیلِ علم کا تجربہ حاصل کر سکیں۔

۳۔ **عالم کاری :** آج سائنس کی ترقی اور الیکٹرانک وسائل کی وجہ سے ہماری وسیع دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہو گئی ہے۔ دنیا کے دور دراز حصوں کی معلومات چند منٹوں میں ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسی صورت حال میں دنیا کے حالات سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ ہماری درسیات اور نصاب میں اس امر پر کافی توجہ دی گئی ہے۔ نویں کی درسی کتاب میں عالمی حالات سے باخبری کے لیے اسباق میں اضافی معلومات کے بعض خاکے دیے ہوئے ہیں۔ یہ خاکے متعلقہ سبق سے مربوط ہونے کے ساتھ طلبہ کو اضافی معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔ تدریس کا حصہ بنانے کے لیے ان خاکوں پر سوالات بھی کیے گئے ہیں اور سرگرمی طرز سے ان کا انطباق بھی کیا گیا ہے۔

۴۔ **سرگرمی اساس اسباق :** اس درسی کتاب میں اسباق اور منظومات کا انتخاب کچھ اس طرح عمل میں لایا گیا ہے کہ طلبہ دورانِ تدریس از خود تشکیلِ علم کر سکیں۔ ان اسباق میں سکھانے سے زیادہ سیکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ آپ بحیثیت سہل کار صرف سہل کاری ہی کرتے رہیں تو طلبہ زبان و ادب کی معتد بہ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ کتاب کے بعض اسباق انٹرنیٹ اور دیگر الیکٹرانک

میڈیا سے بھی جوڑے جاسکتے ہیں۔ جیسے میر امّن دہلوی، غالبؔ، میرؔ وغیرہ کی معلومات آپ نے انٹرنیٹ پر دیکھی ہیں۔ آپ ویسی ہی معلومات حاصل کرنے کے لیے طلبہ کو آمادہ کریں تاکہ آپ کی تدریس بھی پُر لطف ہو اور طلبہ کی آموزش بھی۔

۵۔ زبان کی صلاحیتوں کے فروغ پر زور: کتاب کے اسباق کے انتخاب میں اس امر کی طرف توجہ دی گئی ہے کہ طلبہ میں زبان کی چاروں صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہو۔ بالخصوص لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی صلاحیت کو اُبھارنے کے لیے اسباق میں خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ توقع ہے کہ آپ طلبہ کو ان چاروں صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے معیاری زبان بولنے کی مشق کرائیں گے تاکہ طلبہ معاشرے میں اُردو تہذیب کی نمائندگی کرسکیں۔

۶۔ معانی و اشارات : اسباق میں آنے والے مشکل لفظوں اور حوالوں کے معانی اور مفاہیم کی وضاحتوں پر خاص زور دیا گیا ہے۔ ان میں بعض لفظوں اور ترکیبوں کو پوری وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں الفاظ کے لغوی مفاہیم متن کے پس منظر میں واضح کیے گئے ہیں۔ کہیں لفظوں کا پرانا املا یا تلفظ ہو تو اسے بھی اس حصے میں وضاحت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ لغوی اور مرادی معانی کی تفہیم طلبہ کو متن کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ مشقوں میں بھی کچھ سرگرمیاں ایسی ہیں جن میں مشکل لفظوں کے معنی یا ان کے مترادفات پوچھے گئے ہیں۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ معانی و اشارات کے حصے پر توجہ دے کر طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کریں۔ آج کل موبائل پر اُردو کی مختلف لغات آسانی سے دستیاب ہیں اور ان کا استعمال بھی نہایت آسان ہے۔ آپ طلبہ کو اس جانب بھی راغب کرسکتے ہیں۔

۷۔ مشقیں : 'سرگرمی شیٹ' پچھلے دو سال سے نویں جماعت کے امتحانات کے لیے استعمال ہو رہی ہے مگر درسی کتاب میں وہ شامل نہیں تھی۔ ۲۰۱۷ء کی نویں جماعت کی کتاب کی مشقیں اسی خاکے کے مطابق بنائی گئی ہیں۔ ان مشقوں میں سوالات 'بلا سوالیہ نشان' (Questions without question mark) کے نظریے کو اپنایا گیا ہے۔ مشقوں میں تنوع پیدا کرنے اور انھیں جاذب بنانے کے لیے شبکی (ویب) خاکے، رواں خاکے، شجری خاکے، جدولی تقسیم، معمے اور معروضی جوابات کی تکنیک پر زور دیا گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کی مدد سے یہ مشقیں طلبہ کی تشکیلِ علم کی صلاحیت میں قابلِ لحاظ اضافہ کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ یہ تمام خاکے 'سرگرمی شیٹ' کو مدنظر رکھ کر تیار کیے گئے ہیں۔ کتاب میں شامل بعض سرگرمیاں امتحان کے نقطۂ نظر سے سرگرمی شیٹ کے لیے غیر موزوں ہیں۔ انھیں آزمائش اور امتحان کی سرگرمی شیٹ میں شامل نہ کریں۔

۸۔ عملی قواعد : اسباق پر مشتمل اور نصاب میں شامل قواعد زبان کو 'عملی قواعد' یعنی زبان کے روزمرہ استعمال کے پیش نظر آسان تر مثالوں اور وضاحتوں کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ قواعدی تفہیم کے لیے اسباق سے مثالوں کے مفصل تجزیے کے بعد قواعدی اصطلاح کی تعریف متعین کی گئی ہے۔ دوسری مماثل مثالیں ڈھونڈنے یا تیار کرنے کی ہدایات بھی یہاں شامل ہیں۔ آپ ان ہدایات کی روشنی میں قواعد پڑھائیں اور ایسے مواقع فراہم کریں کہ طلبہ از خود اپنے قواعدِ علمی کی تشکیل کرسکیں۔

۹۔ مثالیں : مشمولات کی آسان تدریس نیز طلبہ کی تفہیم میں آسانی پیدا کرنے کے لیے کتاب کی مشقوں میں مثالیں دی ہوئی ہیں۔ یہ مثالیں سرگرمی کو آسان بنانے اور متن کی مکمل توضیح کے لیے نہایت مفید ہیں۔ اساتذہ ان مثالوں کے علاوہ دیگر مثالیں بھی اپنے تدریسی عمل میں استعمال کرسکتے ہیں۔

۱۰۔ وضاحتیں : کتاب میں متن کی تفہیم کے لیے جگہ جگہ وضاحتیں کی گئی ہیں۔ اضافی معلومات کے خاکوں کے ذریعے متن کے بعض اہم نکات کی وضاحت اور معانی و اشارات کے ذیل میں بعض الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ دورانِ تدریس آپ ان کا استعمال کرسکتے ہیں۔

۱۱۔ **تعریف و توضیح** : کتاب کے متن کے درمیان آئی تراکیب کی توضیح و تعریف معانی و اشارات کے ذیل میں کر دی گئی ہے۔ البتہ قواعد کے حصے میں آئی ہوئی اصطلاحات کی تعریف کے لیے وضاحتی طرز اپنایا گیا ہے۔ اس طریقے سے قواعد کی تفہیم میں آسانی پیدا ہوگی۔

۱۲۔ **مثالی پرچہ** : اس کتاب کے آخر میں ایک مثالی پرچہ بھی شامل ہے۔ اس میں مختلف سرگرمیاں دی ہوئی ہیں۔ اساتذہ سرگرمیوں کا خاکہ عین 'سرگرمی شیٹ' کے مطابق تیار کریں۔ طلبہ اگر اس پرچے کو ذہن نشین کر لیں اور آپ اس کی عملی مشق کرواتے رہیں تو اس جماعت اور آئندہ دسویں جماعت کے امتحان کا مرحلہ طلبہ کے لیے آسان ہو جائے گا۔ اساتذہ بورڈ کے منظور شدہ نمبرات کے مطابق سرگرمی نامہ (مثالی پرچہ) تیار کریں۔

آزمائش اور امتحان کے لیے اساتذہ اقتباس (درسی/ غیر درسی) کے انتخاب کے وقت ذیل کے نکات کو ذہن میں رکھیں۔

i) اقتباس کم از کم پندرہ اور زیادہ سے زیادہ بیس سطروں کا ہو۔

ii) اقتباس معنوی طور سے اپنے آپ میں مکمل ہو۔

iii) اقتباس میں سرگرمیوں کے لیے کافی مواد موجود ہو۔

iv) اقتباس کی زبان زیادہ مشکل نہ ہو۔ ان کے انتخاب کے وقت طلبہ کی اوسط ذہنی سطح کا خیال رکھا جائے۔

کتاب میں سرگرمی شیٹ کے حصہ دوم (شاعری) میں سوال ۲ (الف) اقتباسِ نظم اور سوال ۲ (ب) اقتباسِ غزل کو ہی شامل کیا گیا ہے۔ کتاب میں شامل شاعری کی دو اصناف 'رباعی' اور 'قطعہ' کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اساتذہ سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ ان پر بھی سرگرمیاں تیار کر کے ان کو اپنی آزمائشوں میں شامل کریں گے۔

اسی طرح کتاب میں دو طرح کی خواندگی (پڑھنا) درج ہے؛ ایک عمیق مطالعہ اور دوسرا اضافی مطالعہ۔ اضافی مطالعہ تدریس کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ طلبہ کے عام مطالعے کی وسعت اور طلبہ کے فہم و ادراک اور عمیق مطالعے کے حاصل کی قدر پیمائی کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے امتحانی پرچوں میں اضافی مواد کا اقتباس نہیں دیا جاتا۔ صرف عمومی سوال، مرکزی سوال، نکات کی تشریح، زبان و بیان سے متعلق کرداروں، عنوان دینا وغیرہ طرز کی سرگرمیاں ہوتی ہیں لیکن سرگرمی شیٹ کے خاکے کی ضرورت کے پیشِ نظر اضافی مطالعے سے بھی اقتباس دیا گیا ہے۔ اساتذہ اس بات کا خیال رکھیں اور آزمائشوں میں سرسری مطالعے سے اقتباس نہ لیں۔

کتاب کا تشکیلی خاکہ

نویں جماعت کے لیے اُردو کی درسی کتاب 'کمار بھارتی' میں اُردو نثر کے اسباق کے متون کے موضوعات میں تنوّع کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ یہ فطرت، سماج، ملک وقوم اور عالمی اِنسانی برادری کے موضوعات ہیں جن میں تاریخ اور ادب کے مختلف نکات کو سمیٹا گیا ہے۔ نثری اسباق لکھنے والے حضرات اُردو ادب کے اہم علما و ادبا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کتاب کے حصۂ نظم میں اُردو شاعری کی اہم اصناف مثلاً گیت، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، غزل وغیرہ کا تعارف پیش نظر رہا ہے۔ زمانی لحاظ سے حصۂ نظم کا متن قدیم سے جدید تک کے زمانوں پر محیط ہے۔ نظموں کے موضوعات میں بھی کافی تنوّع ہے جو شاعری کے مختلف ادوار اور فنکارانہ رجحانات کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

نثر و نظم کے انتخاب کے وقت کوشش کی گئی ہے کہ اُردو زبان کا لسانی، تہذیبی اور ملکی تصور واضح ہو جائے۔ کلاسک نثر و نظم کے نمونوں کے ساتھ جدید اور عصری ادبی تصورات پر مشتمل چیزیں طلبہ کے مطالعے کے لیے پیش کی جائیں۔ اُمید ہے کہ زبان، ملک اور معاشرے کو ماضی و حال کے آئینوں میں دیکھنے اور سمجھنے کے لیے اس کتاب کی مشمولات طلبہ کے لیے مدد و معاون ہوں گی۔ کتاب میں شامل اضافی مطالعہ تین افسانوں پر مشتمل ہے جو مہاراشٹر کے نمائندہ فنکاروں کی تخلیقات ہیں۔ ان افسانوں پر بھی عام نثری اسباق کی طرح تعارف اور مشق کو روا رکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں جو مشقیں ہیں انھیں 'نئی تعلیمی پالیسی' کے پیش نظر سرگرمیوں کے مختلف زمروں کے تحت شامل کیا گیا ہے۔ شک و شبہ اور ابہام پیدا کرنے والی استفہامیہ صورتیں ان مشقوں میں نہیں۔ بلکہ طلبہ سے توقع کی گئی ہے کہ وہ دی ہوئی ہدایات کو سمجھ کر متوقع سرگرمیوں کو مکمل کر سکیں گے۔

نثر و نظم کے متن میں بعض اہم حوالوں کی وضاحت اور ان کی تفہیم کے لیے مشقیں زیرِ نظر کتاب کی ایک اور خصوصیت ہے۔ متن میں آنے والے غیر معروف یا کم معروف تصور، شخص، واقعے وغیرہ کے کسی قدر مفصل تعارف پر اقتباسات جگہ جگہ شاملِ کتاب ہیں۔ ان کا مطالعہ طلبہ کو زائد معلومات فراہم کرنے میں معاون ہوگا۔

اسباق پر مشتمل اور نصاب میں شامل زبان کی قواعد کو 'عملی قواعد' یعنی زبان کے روزمرہ استعمال کے پیش نظر آسان تر مثالوں اور وضاحتوں کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ قواعدی تفہیم کے لیے پہلے اسباق سے مثالیں دی گئی ہیں اور ان کے مفصل تجزیے کے بعد قواعدی اصطلاح کی تعریف متعین کی گئی ہے۔ دوسری مماثل مثالیں ڈھونڈنے یا تیار کرنے کی ہدایات بھی یہاں شامل ہیں۔

موجودہ زمانے میں درسی کتابیں جدید الیکٹرانک تکنیکوں کے استعمال سے خالی نہیں رہ سکتیں۔ QR کوڈ کے علاوہ کتاب میں شامل متعدد اسباق کے لیے ویب سائٹس کے پتے بھی درج کیے گئے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے طلبہ ان پتوں سے مطلوبہ معلومات حاصل کر کے اپنے علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اب تمام اُردو درسی کتابیں بال بھارتی کی ویب سائٹ پر بھی دستیاب ہیں۔

متوقع صلاحیتیں

سننا

۱۔ ریڈیو اور مختلف نشریاتی وسائل پر ہونے والے مباحثوں، مذاکروں میں پیش کیے جانے والے حقائق کی جانچ کرنا۔

۲۔ عوامی اعلانات کو غور سے سن کر ان کا مطلب سمجھنا اور ان میں دی گئی ہدایات کے مطابق عمل کرنا۔

۳۔ رسمی اور غیر رسمی گفتگو سن کر اپنے خیالات کا اظہار کرنا۔

۴۔ مختلف اصنافِ ادب کو سن کر سمجھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا۔

۵۔ مختلف اصنافِ ادب کی سی ڈی سن کر اقسام کے مطابق ان کی درجہ بندی کرنا۔

۶۔ عوامی بول چال کی زبان، اس کے لب و لہجے اور لفظیات کی خصوصیات کا شعور ہونا۔

بولنا

۱۔ نظموں، گیتوں اور اجتماعی گیتوں کو رموزِ اوقاف کا خیال رکھتے ہوئے پیش کرنا۔

۲۔ اصنافِ ادب کی اقسام کی پیشکش کی قدر پیمائی کرنا۔

۳۔ موقع محل اور موضوع کی مناسبت سے اپنی رائے کے ذریعے اپنے مقابل کو قائل کرنا۔

۴۔ مختلف سرگرمیوں کی منصوبہ بندی میں حصہ لینا۔

۵۔ مؤثر بات چیت کے لیے آدابِ گفتگو کا خیال رکھنا۔

۶۔ مختلف اصنافِ ادب کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی کوشش کرنا۔

پڑھنا

۱۔ درسی اور غیر درسی مواد کو سمجھ کر معنی و مفہوم کا خیال رکھتے ہوئے بلند خوانی کرنا۔

۲۔ مناسب اُتار چڑھاؤ کے ساتھ رموزِ اوقاف کا خیال رکھتے ہوئے بامعنی بلند خوانی کرنا۔

۳۔ دی ہوئی عبارت کا مرکزی خیال، خلاصہ اور مفہوم کو سمجھ کر پڑھنا۔

۴۔ مختلف اصنافِ ادب کا بغور مطالعہ کر کے لطف اندوز ہونا۔

۵۔ انٹرنیٹ کے ذریعے سائٹس پر دستیاب معلومات کا مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کرنا۔

۶۔ عوامی مقامات پر درج ہدایات پڑھ کر ذاتی رائے قائم کرنا۔

لکھنا

۱۔ املا نویسی کے وقت خوشخطی کے اُصولوں کی پوری پابندی کرنا۔

۲۔ سنے یا پڑھے گئے مواد کے مفہوم کے مطابق تیار کیے گئے نوٹس کے نکات کی توسیع کرنا۔

۳۔ دیے گئے موضوع کو اپنے طور پر دوبارہ لکھنا۔

۴۔ ذاتی طور پر لکھتے وقت محاورے، کہاوتیں، تراکیب اور اقوالِ زرین کا بخوبی استعمال کرنا۔

۵۔ دیے گئے موضوع پر آزادانہ طور پر مؤثر مواد تیار کرنا۔

۶۔ کسی واقعہ یا حادثہ پر تجزیاتی مضمون لکھنا۔

۷۔ پیش آئے واقعات، تقریبات اور حادثات کی روداد لکھنا۔

مطالعہ کی صلاحیت

۱۔ حوالوں کے لیے لغت کا استعمال کرنا۔

۲۔ دیے گئے عنوان پر ذاتی خیالات بالتفصیل واضح کرنا۔

۳۔ تقریبات کی روداد تیار کرنا۔

۴۔ ہماری زبان اور دیگر عوامی بولیوں میں استعمال ہونے والے محاوروں اور کہاوتوں کی فہرست تیار کرنا اور موضوع و مفہوم کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی کرنا۔

۵۔ جدید تکنیک کا استعمال کر کے اُردو اور دیگر زبانوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔

۶۔ مختلف اصنافِ ادب کی خصوصیات کی بنا پر درجہ بندی کرنا۔

۷۔ زبان کے فروغ کے لیے Apps استعمال کرنا۔

۸۔ مختلف سماجی مسائل پر ہونے والی گفتگو میں شامل ہو کر خیالات کا اظہار کرنا۔

قواعد

۱۔ زبان کے صرفی و نحوی اُصولوں سے واقفیت۔

۲۔ زبان کے صحیح استعمال کی اہلیت پیدا کرنا۔

۳۔ شعری محاسن سے آگاہی۔

۴۔ صحت الفاظ کے ساتھ زبان کو برتنے کا شعور۔

۵۔ صنعتِ لفظی کی پہچان۔

فہرست

نمبر شمار	اسباق	صنف	موضوعات	شاعر/مصنف	صفحہ نمبر
	حصّۂ نثر				
۱۔	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف	سوانح	مذہبی شخصیت	اِدارہ	۱
۲۔	پوس کی رات	افسانہ	کسانوں کی مفلسی	منشی پریم چند	۶
۳۔	دعوت	مضمون	مزاح	رشید احمد صدیقی	۱۳
۴۔	تہذیب	مضمون	زبان شناسی	سیّد سلیمان ندوی	۲۰
۵۔	قسمت بیگ	ڈراما	تہذیبی صورت حال	سلام بن رزّاق	۲۵
۶۔	بغداد کا سفر	سفرنامہ	تہذیب وثقافت	سجاد حیدر یلدرم	۳۴
۷۔	بخار	انشائیہ	انسانی ہمدردی	ڈاکٹر محمد اسد اللہ	۳۹
۸۔	سَیر پہلے دُرویش کی	داستان	اخلاقیات	میر امّن دہلوی	۴۳
۹۔	خطوط	مکتوب نگاری	آپسی رشتے	حبیب الرحمٰن الصدیقی	۵۰
	حصّۂ نظم				
۱۔	حمد	نظم	اللہ کی تعریف	جگن ناتھ آزاد	۵۴
۲۔	داتا، دے دے گیان	گیت	دعا	میراجی	۵۷
۳۔	بارش کی مذمّت میں	مثنوی	موسم کا اثر	میر تقی میرؔ	۶۰
۴۔	میرا سفر	نظم	زندگی کا تسلسل	علی سردار جعفری	۶۴
۵۔	تلک کی موت پر	مرثیہ	شخصی مرثیہ	پنڈت برج نرائن چکبست	۶۸
۶۔	ایکتا کی آواز	نظم	حب وطن	بیکلؔ اُتساہی	۷۱
۷۔	ہم نے کار خریدی	نظم	ظرافت	ساغرؔ خیامی	۷۴
۸۔	صبح دم دروازۂ خاور کھلا	قصیدہ	مدح وتوصیف	مرزا غالبؔ	۷۷
۹۔	رباعیات	رباعی		میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، اکبرؔ الہ آبادی، فراقؔ گورکھپوری	۸۱
۱۰۔	قطعات	قطعہ		ذوقؔ دہلوی، وحید الدین سلیمؔ، اخترؔ انصاری، ساحرؔ لدھیانوی، عبدالحمید عدمؔ	۸۴
۱۱۔	غزلیات	غزل		غلام حسین ایلچ پوری، مرزا محمد رفیع سوداؔ، مرزا داغؔ دہلوی، ناصرؔ کاظمی، کلیم عاجزؔ، مجروحؔ سلطان پوری، ساجدہؔ زیدی	۸۷
	متن برائے اضافی مطالعہ				
۱۔	آخری خواہش	افسانہ	انسانی رشتے	انور قمر	۱۰۰
۲۔	۱۹/مارچ ۲۱۵۰ء	افسانہ	سائنس فکشن	نور الحسنین	۱۰۳
۳۔	ڈاکو طے کریں گے	افسانہ	سیاسی طنز	م۔ ناگ	۱۰۷

١ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

اِدارہ

پہلی بات : اسلامی تاریخ میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ کے اصحابؓ کی زندگیوں کے حالات اور ان کے کارناموں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے اپنی گزشتہ اُردو درسی کتابوں میں خلفائے راشدین اور بعض اصحابؓ کے حالاتِ زندگی پڑھے ہیں۔ اسلام کے لیے ان کی قربانیوں کے واقعات سے بھی آپ واقف ہیں۔ اصحابِ کرامؓ کے انسانی، اخلاقی اور ایمانی جذبات اور ان کے الطاف وخلوص کی وجہ سے دس اصحابؓ کو حضور اکرمؐ نے ان کی مبارک زندگی ہی میں جنتی ہونے کی خوش خبری سنا دی تھی۔ ذیل میں ایک ایسے ہی صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی زندگی کے سبق آموز حالات پیش کیے جا رہے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد ان کی زندگی میں کیا انقلابات آئے۔ انھوں نے مشکل حالات کا مقابلہ کیسے کیا اور اخوّت، محبّت اور عقیدت کی کیسی عمدہ مثالیں پیش کیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی زندگی کا شخصی مطالعہ سماج اور اس کے افراد سے خلوص و یگانگت کی مثال بھی ہے۔

سوانح نگاری : سوانح نگاری یا سوانح عمری ایک بیانیہ صنف ہے۔ زندگی کے واقعات کو تاریخ اور ترتیب کے ساتھ لکھنا سوانح نگاری ہے۔ سوانح نگاری میں جس شخص کی زندگی کے حالات لکھنا مقصود ہوں، اس کے مزاج اور اس کی نفسیات اور اصل فطرت کو بھی سوانح نگار سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سوانح کا موضوع کسی ایسی شخصیت کو بنایا جاتا ہے جس نے ادبی، سیاسی یا سماجی سطح پر کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو لیکن سوانح نگار صرف شخصیت ہی کو موضوع نہیں بناتا بلکہ اس شخص کے عہد، تہذیبی و ثقافتی نیز سیاسی و سماجی صورتِ حال کا بھی تجزیہ کرتا ہے۔ اُردو کی اہم سوانح عمریوں میں 'یادگارِ غالبؔ' اور 'حیاتِ جاوید' (حالؔی)، 'الفاروق' اور 'سیرۃ النبیؐ' (شبلؔی)، 'سیرۃِ عائشہؓ' (سیّد سلیمان ندوی)، 'غالبؔ نامہ' (شیخ محمد اکرام) وغیرہ شامل ہیں۔

غلّے، کپڑے اور ضروریاتِ زندگی کے مال و اسباب سے لدے ہوئے سات سو اونٹوں کا قافلہ مدینے کی گلیوں سے گزر رہا تھا۔ خشک سالی نے عوام کو افلاس اور بدحالی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان حالات میں بچے اس قافلے کو حسرت بھری نظروں سے اور مدینے کے بوڑھے اور نوجوان حیرت اور اُمید سے دیکھ رہے تھے کہ کاش اس میں ہمارا بھی کچھ حصّہ نکل آئے۔

قافلے کی آمد پر شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ قافلے کو دیکھنے کے لیے لوگ ایک دوسرے کو آوازیں دے رہے تھے۔ اس شور کے متعلّق حضرتِ عائشہؓ نے کسی سے دریافت کیا تو آپؓ سے کہا گیا کہ مدینے میں آیا ہوا سات سو اونٹوں کا یہ قافلہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا ہے اور اس قافلے کے اونٹ مال و اسباب سے لدے ہوئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی آپؓ فرمانے لگیں، "اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو کچھ دیا ہے، اس میں برکت دے۔ یقیناً آخرت کا ثواب بڑا ہے۔ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف سست روی سے جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔"

حضرت عائشہؓ کی یہ بات اس شخص نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف تک پہنچا دی تو انھوں نے اونٹوں پر سے سارا مال اُتروایا اور مدینے کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ وہی عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہیں جنھوں نے حضرت محمدؐ کے حکم پر مکے سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ تب وہ مفلس اور تنگ دست تھے۔ حضورؐ نے مدینے کے انصار اور مہاجرین کے درمیان رفاقت و اُخوّت کا رشتہ قائم کیا تو حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری، حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بھائی بن گئے۔ مدینے میں اس وقت حضرت سعدؓ سب سے زیادہ مالدار تھے۔ انھوں نے اپنے دینی بھائی کو اپنی آدھی جائداد دینی چاہی مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا، "بھائی! مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دو۔"

اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام عبد عمرو تھا مگر اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت محمدؐ نے ان کا نام بدل کر عبدالرحمٰنؓ رکھ دیا۔ وہ بنی زہرہ بن کِلاب کے خاندان میں ۵۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے نہایت وجیہہ، دراز قد، مضبوط جسم والے اور پھرتیلے تھے۔ وہ ان آٹھ صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے قبولِ اسلام میں پہل کی تھی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی وہ شراب نوشی سے متنفر اور بت پرستی سے بیزار تھے۔ رسولِ اکرمؐ کی تعلیمات نے ان کے قلب و ذہن کو ایسی جلا بخشی کہ ابتدائی دور ہی میں انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اسلام قبول کرنا تھا کہ مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم کا وہ شکار ہوئے مگر صبر و تحمل کے ساتھ انھوں نے ساری تکلیفوں کو برداشت کیا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہجرت کا حکم نافذ ہوا۔ چنانچہ دیگر مسلمان ساتھیوں کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مشرکینِ مکہ کے قبولِ اسلام کی غلط خبر سن کر تمام مسلمان جب حبشہ سے مکہ لوٹ آئے تو ان پر دوبارہ ظلم و ستم ہونے لگا۔ تب حضورؐ کے حکم سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مدینہ ہجرت کرلی۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ شروع میں وہ بازار سے کچھ مال خریدتے اور اسے وہیں فروخت کردیتے اور منافع کے پیسوں میں سے کچھ پس انداز کرتے، کچھ اپنی ذات پر خرچ کرتے۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت بڑھتی گئی اور ان کا شمار مدینے کے بڑے تاجروں میں ہونے لگا۔ تجارت میں اپنی ترقی دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰنؓ خود حیران رہتے۔ ان کی تجارت دنیا کے تمام عیوب سے پاک تھی۔ حرام مال کا ایک ذرّہ بھی اس مَلِک التُّجّار کے مال میں نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے پچاس ہزار دینار اللہ کی راہ میں تقسیم کرنے کی وصیت کی تو حضرت عثمانِ غنیؓ نے خود مخیّر و متموّل ہونے کے باوجود حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مال میں سے اپنا حصّہ یہ کہتے ہوئے طلب کیا کہ "عبدالرحمٰنؓ کا مال حلال اور صاف ہے۔ اس کا ایک لقمہ بھی باعثِ برکت و عافیت ہے۔" دولت کی ایسی فراوانی اور صالح زندگی کے باوجود حضرت عبدالرحمٰنؓ پر ہمیشہ خدا کا خوف طاری رہتا اور ان کی زبان سے کبھی ایسے الفاظ بھی ادا ہوجاتے کہ "مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں دنیا ہی میں نہ دے دیا جائے۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی وسیع پیمانے پر تجارت ہونے کے باوجود دولت کمانے میں ان کا انہماک کبھی دیکھا نہیں گیا۔ عرب کے بڑے تاجروں میں ان کا شمار ہونے کے بعد بھی انھوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش نہ کی۔ بالعموم مال و متاع اور دولت و ثروت کے زعم میں آدمی خدا فراموش ہی نہیں، اپنوں سے بھی بیزار ہوجاتا ہے مگر حضرت عبدالرحمٰنؓ کا یہ عالم تھا کہ تجارت سے جو کچھ حاصل ہوتا اسے غربا و مساکین اور اہل و عیال پر بے دریغ خرچ کردیتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق کہا جاتا تھا کہ سارے کے سارے اہلِ مدینہ ابنِ عوف کے مال میں شریک ہیں۔ دولت کمانے اور اسے سینت سینت کر رکھنے کے لیے انھوں نے کبھی تجارت نہیں کی۔ دین کے کاموں میں وہ بے انتہا خرچ کرتے۔ وہ اپنی تجارت کے نفع کا اندازہ خدا کی راہ میں خرچ ہونے والی دولت سے کرتے تھے۔ وہ قناعت پسندی اور استغنا کے لیے سارے مدینے میں مشہور تھے۔

یہ وہ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے وہ اصحابؓ میں نمایاں نظر آتے تھے۔ اس پر مستزاد ان کی سادہ اور بے ریا زندگی تھی جس میں افلاس سے امارت تک کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ جب تنگ دست تھے اس وقت بھی سخاوت میں اپنی کشادہ قلبی کا ثبوت دیتے رہے اور جب امارت ہاتھ آئی تو عطا کی کشادگی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب جنگی ساز و سامان کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے دوسو اُوقیہ سونا اللہ کی راہ میں پیش کردیا۔ مدینے کے اس وقت کے حالات کے لحاظ سے یہ امداد بہت زیادہ تھی۔ اس کثیر رقم کو دیکھ کر حضورؐ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے پوچھا کہ اپنے خاندان کے لیے کیا چھوڑا تو انھوں نے جواب دیا، "جس رزقِ خیر اور اجر کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ فرمایا ہے،

اتنا مال میں نے اپنے اہلِ خانہ کے لیے چھوڑا ہے۔" یہی وہ ایمانی جذبہ تھا جس کی بدولت حضرت عبد الرحمٰنؓ کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ اسی بشارت کی بنا پر عشرۂ مبشرہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف کو دنیاوی جاہ و مال سے ذرا دلچسپی نہیں تھی۔ انتقال سے پہلے حضرت عمرؓ نے جن چھے صحابہؓ کو خلیفۂ اسلام کے انتخاب کے لیے نامزد کیا تھا، ان میں حضرت عبد الرحمٰنؓ بھی شامل تھے۔ سب سے پہلے وہ بذاتِ خود خلافت کے منصب سے یہ کہتے ہوئے دستبردار ہو گئے کہ "اللہ کی قسم! اگر میرے حلق پر چھری رکھ دی جائے تو یہ چیز مجھے خلافت سے زیادہ پسند ہے۔" بالآخر ان ہی کی ایما پر حضرت عثمانؓ بن عفان خلیفہ بنائے گئے۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف تجارت کے ساتھ زراعت بھی کرتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد اللہ کے رسولؐ نے وہاں کی ایک کشادہ اراضی ان کے نام کر دی تھی۔ انھوں نے اپنی ذاتی دولت سے بھی کئی کھیتیاں خرید لی تھیں۔ وہ کھیتوں کی فصل بھی تجارتی مال کی طرح غربا میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک موقع پر انھوں نے زمین کا ایک ٹکڑا چالیس ہزار دینار میں خریدا اور اسے بنی زہرہ کے غربا اور مساکین نیز اُمہات المومنین میں تقسیم کر دیا۔ آخر عمر میں حضرت عبد الرحمٰنؓ نے اپنی کل جائداد فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کی وصیت کی تو غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے سو صحابہؓ میں سے ہر ایک کے حصے میں چار سو دینار اور وراثت میں ان کی ہر بیوی کے حصے میں اسّی ہزار دینار آئے۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ تجارت اور زراعت ہی میں مصروف نہیں رہتے بلکہ غزوات میں بھی شریک ہوتے تھے۔ مگر جنگ و جدل سے زیادہ وہ امن و خیر خواہی کے راستے کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمٰنؓ کی حکمتِ عملی کی وجہ سے دومۃ الجندل کی جنگ کے موقع پر پورا علاقہ پرامن طور پر فتح ہو گیا اور دشمنوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اس موقع پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰنؓ کو یہ نصیحت کی تھی کہ جنگ میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل مت کرنا اور جنگ سے قبل انھیں احسن طریقے سے سمجھانا۔ جنگِ اُحد میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے ان کے استقلال میں ذرا سی بھی کمی نہیں ہوئی۔ کامرانی کے ساتھ واپس لوٹے تو ان کا جسم زخموں سے چھلنی تھا۔ ان زخموں کی وجہ سے ان کے ایک پیر میں لنگ آ گیا تھا۔ اسی جنگ میں ان کے چند دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔ اس طرح میدانِ کارزار ہو یا تجارت کا بازار، عبد الرحمٰنؓ بن عوف دونوں میدانوں میں مستعد رہے۔ انھوں نے اپنی بے لوث خدمات سے دین کو خوب نفع پہنچایا۔

پچھتّر برس کی عمر میں ۶۵۲ء میں حضرت عبد الرحمٰنؓ کا انتقال ہوا۔ جانکنی کی حالت میں ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ احباب کے پوچھنے پر کہنے لگے، "مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میری دولت کی وجہ سے میں اپنے دوستوں سے دور نہ کر دیا جاؤں۔" اسی حالت میں حضرت عائشہؓ کی جانب سے آپ کو یہ خوش خبری پہنچائی گئی کہ ان کی قبر حجرۂ عائشہؓ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں بنائی جائے۔ مگر حضرت عبد الرحمٰنؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے حیا محسوس ہوتی ہے کہ اس بلند جوار میں مَیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں لیٹوں۔ ان کے جنازے کی نماز حضرت عثمان بن عفانؓ نے پڑھائی جس میں وقت کے جلیل القدر صحابہؓ موجود تھے۔

میں یہاں بھی ہوں...

- پانچویں جماعت : حضرت ابوبکر صدیقؓ
- چھٹی جماعت : حضرت عمرؓ بن خطاب
- ساتویں جماعت : حضرت عثمانؓ بن عفّان
- آٹھویں جماعت : حضرت علیؓ بن ابی طالب

میں یہاں بھی ہوں...

- چھٹی جماعت : تاریخ اور شہریت : صفحہ ۲۴ ۵ء۵ – مذہب اسلام

معانی و اشارات

خشک سالی	–	قحط
انصار	–	حضورؐ کی ہجرت کے موقع پر مہاجرین کی مدد کرنے والے مدینے کے مسلمان
مہاجرین	–	مہاجر کی جمع، ہجرت کرنے والے
متنفر	–	نفرت کرنے والا
پس انداز کرنا	–	بچت کرنا، بچانا
متموّل	–	دولت مند
بالعموم	–	عام طور پر
خدا فراموش	–	خدا کو بھول جانے والا
سینت سینت کر رکھنا	–	سنبھال کر رکھنا
استغنا	–	بے نیازی
مستزاد	–	زیادہ
کشادہ قلبی	–	دل کا بڑا ہونا
اوقیہ	–	تقریباً اٹھائیس گرام کا وزن
بشارت	–	خوش خبری
عشرۂ مبشرہ	–	وہ دس صحابہؓ جنھیں زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔
دست بردار ہو جانا	–	الگ ہو جانا، ہاتھ اُٹھا لینا
ایما	–	مرضی
مساکین	–	مسکین کی جمع، غریب
اُمہات المومنین	–	مومنوں کی مائیں (حضورؐ کی بیویاں)
فی سبیل اللہ	–	اللہ کی راہ میں (اللہ کی خوشی کے لیے)
غزوات	–	غزوہ کی جمع، وہ جنگیں جن میں رسولِ اکرمؐ نے شرکت فرمائی تھی۔
استقلال	–	قائم رہنا، مضبوطی
لنگ	–	لنگڑا پن
کارزار	–	جنگ
جانکنی	–	جان نکلنے کی حالت
جوار	–	پڑوس
جلیل القدر	–	اعلیٰ درجے کا

مشق

✳ **مصنف کے نام کے سامنے سوانح کا نام لکھیے۔**

الطاف حسین حالؔی ....

شبلؔی نعمانی ....

شیخ محمد اکرام ....

سیّد سلیمان ندوی ....

✳ **سبق کی روشنی میں خالی جگہ پُر کیجیے۔**

۱۔ ....کی آمد پر شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ (کارواں ، قافلے ، قائد)

۲۔ حضورؐ نے مدینے کے انصار اور مہاجرین کے درمیان..................کا رشتہ قائم کیا۔ (رفاقت و اخوت ، دوستی و برادری ، بھائی بہن)

۳۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو دنیاوی جاہ و مال سے ذرا.........نہیں تھی۔ (رغبت ، دلچسپی ، محبت)

۴۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی نمازِ جنازہ............ نے پڑھائی۔ (حضرت عثمانؓ بن عفان ، حضرت علیؓ ، حضرت ابوبکرؓ)

✳ **سبق کے حوالے سے درج ذیل کے لیے ایک لفظ لکھیے۔**

۱۔ حضورؐ کی ہجرت کے وقت مسلمانوں کی مدد کرنے والے مدینہ کے مسلمان – ....

۲۔ حضورؐ کے حکم پر مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے مسلمان – ....

۳۔ حضورؐ کی بیویاں – ....

۴۔ وہ صحابہؓ جنھیں زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی – ....

* **شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔**

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

- اسلام قبول کرنے سے پہلے کا نام ....
- خاندان ....
- پہلی ہجرت ....
- ان کا شمار ....

* **"حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر ہمیشہ خدا کا خوف طاری رہتا۔" اس احساس کو ظاہر کرنے والا جملہ لکھیے۔**
* **"سارے اہلِ مدینہ ابن عوف کے مال میں شریک ہیں۔" اس بیان کی سند پیش کرنے والے جملے لکھیے۔**
* **حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی چار خوبیاں لکھیے۔**
* **خط کشیدہ لفظوں کے ہم معنی لفظ لکھیے۔**

۱۔ دولت کمانے اور سینت سینت کر رکھنے کے لیے انھوں نے کبھی تجارت نہیں کی۔

۲۔ وہ قناعت پسندی اور استغنا کی وجہ سے سارے مدینے میں مشہور تھے۔

۳۔ سب سے پہلے وہ بذاتِ خود خلافت کے منصب سے دستبردار ہو گئے۔

۴۔ میدانِ کارزار ہو یا تجارت کا بازار، وہ دونوں میدان میں مستعد رہے۔

۵۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپؓ نے دو سو اوقیہ سونا پیش کیا۔

۶۔ قافلے کو دیکھنے کے لیے لوگ ایک دوسرے کو آوازیں دے رہے تھے۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے

www.rekhta.com

* **ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔**

۱۔ تجارت، زراعت، غزوات، دولت
(جمع کا لفظ پہچانیے)

۲۔ سات سو اونٹوں کا قافلہ مدینے کی گلیوں سے گزر رہا تھا۔ (صفت عددی تلاش کر کے لکھیے)

۳۔ "عبدالرحمٰن کا مال حلال اور صاف ہے۔"
(زمانہ لکھیے)

اضافی معلومات

غزوۂ تبوک

ملکِ عرب کے ایک شہر کا نام تبوک ہے۔ یہ روم کی سرحد سے لگا ہوا ہے۔ ۹ھ میں حضرت محمدؐ کو یہ خبر ملی کہ بادشاہِ روم ہرقل قیصر مدینے پر حملے کے لیے ایک لشکر تیار کر رہا ہے۔ اس لیے آپؐ نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس وقت سارے حجاز میں قحط سالی پھیلی تھی۔ گرمی نہایت شدید تھی۔ تمام لوگ عسرت اور تنگی کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اس لیے اس جنگ کے لیے جانے والے لشکر کو 'جیش العُسرۃ' کہتے ہیں۔ البتہ موسم بہار کا تھا اور کھجوریں پک رہی تھیں۔ اس موقع پر مسلمانوں کے عزم کو ڈانوا ڈول کرنے کے لیے مُشرکوں نے مسلمانوں کو شدید گرمی سے ڈرایا تو کبھی کھجور کی فصل کے بہانے سے بہکایا مگر مسلمانوں کے پائے استقلال میں لرزش نہ ہوئی۔ اس جنگ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے گھر کا آدھا مال جنگ کے لیے وقف کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اہلِ خانہ کے لیے گھر میں کچھ نہ چھوڑا۔ مسلمانوں کا لشکر جب تبوک پہنچا تو رومی فوجیں وہاں سے منتشر ہو گئیں اور بلا جنگ کے امن قائم ہو گیا۔ جو لوگ رومی حکومت کی جانب سے وہاں ٹھہرے ہوئے تھے انھوں نے آپؐ سے مصالحت کر لی۔

۱۔ تبوک کا محلِ وقوع بیان کیجیے۔

۲۔ روم کے بادشاہ کا نام لکھیے۔

۳۔ تبوک کے لشکر کو 'جیش العُسرۃ' کہا جاتا ہے۔ وجہ بیان کیجیے۔

۴۔ مسلمانوں کو جنگ سے روکنے کے لیے مُشرکوں نے جو تدبیریں کیں، انھیں اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲ پوس کی رات

منشی پریم چند

پہلی بات : شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کا ایک مشہور شعر ہے ؎

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

ہمارے ملک میں تقریباً سات لاکھ دیہات ہیں۔ ان دیہاتوں میں زیادہ تر کسان رہتے ہیں مگر یہ نہایت افسوس ناک بات ہے کہ سب کے لیے اناج اُگانے والا کسان اکثر خود مفلسی اور کسمپرسی کی زندگی گزارتا ہے۔ اسی لیے علامہ اقبالؔ اپنے اس شعر میں کہتے ہیں کہ جس کھیت سے کسان کو روزی نہ ملے، اُس کھیت کو آگ لگا دینا چاہیے۔ کہانی 'پوس کی رات' بھی ایک کسان کی مفلسی اور مجبوری کی عبرت ناک تصویر پیش کرتی ہے۔ ساتھ ہی اس کہانی میں پسماندہ طبقے کی زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ کہانی آزادی سے پہلے لکھی گئی تھی مگر آزادی کی سات دہائیوں کے بعد آج بھی کسانوں کی حالتِ زار میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اُس زمانے میں وہ مہاجنوں سے قرض لیتے تھے اور اُن کی ساری عمر قرض چکانے میں گزر جاتی تھی آج وہ بینکوں سے قرض لیتے ہیں اور اُس قرض کو ادا کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ بعض اوقات وہ قرض ادا نہ کر پانے کے خوف سے اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔

جان پہچان : پریم چند کو متفقہ طور پر اُردو اور ہندی کا پہلا افسانہ نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ بنارس کے قریب ایک گاؤں لمہی (پانڈے پور) میں ۳۱/ جولائی ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ اپنی ادبی زندگی کا آغاز انھوں نے نواب رائے کے نام سے کیا۔ پھر وہ پریم چند کے قلمی نام سے لکھنے لگے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے لال پور گاؤں میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ سرکاری ملازم ہو گئے۔ شروع میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اُنھیں بچپن ہی سے لکھنے کا شوق تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اُن کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ 'سوزِ وطن' کے نام سے شائع ہوا جس پر انگریزی حکومت نے پابندی عائد کر دی۔ پریم چند نے تین سو سے زیادہ افسانے اور بارہ ناول لکھے ہیں جن میں 'گئودان، غبن، میدانِ عمل، بازارِ حسن' اہم ہیں۔ اُن کے افسانوں کا ایک ایک لفظ انسانی دردمندی کے جذبے سے سرشار نظر آتا ہے۔ وہ ۸/ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بنارس میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

افسانہ :

اُردو کی بیانیہ اصناف میں سب سے زیادہ مقبولیت افسانے کو ملی۔ افسانے کے ذریعے فرد کی زندگی کے کسی ایک پہلو، کسی ایک نفسیاتی یا جذباتی کیفیت یا کسی ایک تجربے کو بیان کیا جاتا ہے۔ افسانے کی کوئی قطعی تعریف ممکن نہیں ہے۔ اس کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں مثلاً افسانہ کسی ایک واقعے کا بیان ہوتا ہے جس میں ابتدا، وسط اور انجام ہو۔ افسانے میں واقعات کا بیان، کرداروں کی گفتگو اور منظر و ماحول کی پیش کش بہت نپی تلی اور تاثر سے بھرپور ہونی چاہیے۔ افسانے کے فن میں پلاٹ، کردار، زمان و مکان، مرکزی خیال اور اسلوب کی خاص اہمیت ہے۔

ہلکو نے آ کر اپنی بیوی سے کہا، "شہنا آیا ہے۔ لاؤ جو روپے رکھے ہیں، اسے دے دوں۔ کسی طرح گردن تو چھوٹے۔"

مُنّی بہو جھاڑو لگا رہی تھی، پیچھے پھر کر بولی، "تین ہی تو روپے ہیں، اسے دے دو گے تو کمبل کہاں سے آئے گا؟ ماگھ پوس کی رات کھیت میں کیسے کٹے گی؟ اس سے کہہ دو کہ فصل پر روپے دے دیں گے۔ ابھی نہیں ہیں۔"

ہلکو تھوڑی دیر تک چپ کھڑا رہا اور اپنے دل میں سوچتا رہا، پوس سر پر آ گیا ہے۔ بغیر کمبل کے رات کو وہ کسی طرح کھیت میں نہیں سو سکتا مگر شہنا مانے گا نہیں۔ وہ گھڑکیاں دے گا، گالیاں بکے گا۔ بلا سے جاڑے میں مریں گے، یہ بلا تو سر سے ٹل جائے گی۔..... یہ سوچتا ہوا وہ بیوی کے پاس گیا اور خوشامدانہ لہجے میں بولا، "لا دے دے، گردن تو کسی طرح سے بچے... کمبل کے لیے کوئی تدبیر سوچوں گا۔"

مُنّی آنکھیں ٹیڑھی کرکے بولی، ”کر چکے دوسری تدبیر، ذرا سنوں تو کون سی تدبیر کرو گے۔کون کمبل خیرات میں دے دے گا؟ نہ جانے کتنا روپیہ باقی ہے جو کسی طرح ادا ہی نہیں ہوتا۔ میں کہتی ہوں، تم کھیتی کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ مرمر کر کام کرو، پیداوار ہو تو اس سے باقی ادا کرو، چلو چھٹی ہوئی۔ باقی چکانے کے لیے ہی تو ہمارا جنم ہوا ہے...ایسی کھیتی سے باز آئے۔ میں روپے نہ دوں گی، نہ دوں گی۔“

ہلکو رنجیدہ ہو کر بولا، ”تو کیا گالیاں کھاؤں؟“

منی نے کہا، ”گالی کیوں دے گا؟ کیا اس کا راج ہے؟“ مگر یہ کہنے کے ساتھ ہی اس کی تنی ہوئی بھنویں ڈھیلی پڑ گئیں۔اس نے طاق پر سے پیسے اُٹھائے اور لا کر ہلکو کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ پھر بولی، ”تم اب کھیتی چھوڑ دو، مزدوری میں سکھ سے ایک روٹی تو چین سے کھانے کو ملے گی۔ کسی کی دھونس تو نہ رہے گی۔“

ہلکو نے روپے لیے اور اس طرح باہر چلا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا کلیجا نکال کر دینے جا رہا ہے۔اس نے ایک ایک پیسا کاٹ کر تین روپے کمبل کے لیے جمع کیے تھے۔ وہ آج نکلے جا رہے ہیں۔

پوس کی اندھیری رات، آسمان پر تارے بھی ٹھٹھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ہلکو اپنے کھیت کے کنارے اوکھ کی پتیوں کی ایک چھتری کے نیچے بانس کے کھٹولے پر پرانی گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے کانپ رہا تھا۔ کھٹولے کے نیچے اس کا ساتھی کتا ’جبرا‘ پیٹ میں منہ ڈالے سردی سے کوں کوں کر رہا تھا...دونوں میں سے ایک کو بھی نیند نہ آتی تھی۔

ہلکو نے گھٹنوں کو گردن میں چمٹاتے ہوئے کہا، ”کیوں جبرا! جاڑا لگتا ہے...کہا تو تھا کہ گھر میں پیال پر لیٹ رہ۔تو یہاں کیا لینے آیا تھا۔ اب کھا سردی۔ میں کیا کروں۔ جانتے تھے کہ میں حلوہ پوری کھانے جا رہا ہوں۔ دوڑتے ہوئے آگے آگے چلے آئے۔ اب روؤ اپنی نانی کے نام کو...“

جبرا نے پڑے پڑے دُم ہلائی اور ایک انگڑائی لے کر چپ ہو گیا۔ شاید وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی کوں کوں کی آواز سے اس کے مالک کو نیند نہیں آ رہی ہے۔ ہلکو نے ہاتھ نکال کر جبرا کی ٹھنڈی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا، ”کل سے میرے ساتھ نہ آنا، نہیں تو ٹھنڈے ہو جاؤ گے۔ یہ پچھوا ہوا نہ جانے کہاں سے برف لیے آ رہی ہے۔ اُٹھوں پھر ایک چلم بھروں۔ کسی طرح رات تو کٹے۔“

ہلکو اُٹھا اور گڑھے میں سے ذرا سی آگ نکال کر چلم بھری۔ جبرا بھی اُٹھ بیٹھا۔ ہلکو نے چلم پیتے ہوئے کہا، ”پیے گا چلم؟ جاڑا تو کیا جاتا ہے، ہاں ذرا من بہل جاتا ہے۔“

جبرا نے اگلے پنجے اس کے گھٹنوں پر رکھ دیے اور اس کے منہ کے پاس اپنا منہ لے گیا۔ ہلکو کو اس کی سانس گرم لگی۔ چلم پی کر ہلکو پھر لیٹا اور یہ طے کر لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو، اب کی سو جاؤں گا۔ لیکن ایک لمحے میں اس کا کلیجا کانپنے لگا۔ کبھی اس کروٹ لیٹتا، کبھی اس کروٹ۔ جاڑا کسی بھوت کی مانند اس کی چھاتی کو دبائے ہوئے تھا۔

جب کسی طرح رہا نہ گیا تو اس نے جبرا کو دھیرے سے اُٹھایا اور اس کے سر کو تھپتھپا کر اسے اپنی گود میں سلا لیا۔ اس کو کتے سے بالکل نفرت نہ تھی۔ ایسی انوکھی دوستی نے اس کی روح کے سب دروازے کھول دیے تھے اور اس کا ایک ایک ذرّہ حقیقی روشنی سے منوّر ہو گیا تھا۔ اسی اثنا میں جبرا نے کسی جانور کی آہٹ سنی۔ اس کے مالک کی اس خالص روحانیت نے اس کے دل میں ایک نئی طاقت پیدا کر دی تھی جو ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں کو بھی ناچیز سمجھ رہی تھی۔ وہ جھپٹ کر اُٹھا اور چھپّر سے باہر آ کر بھونکنے لگا۔

ہلکو نے اسے کئی بار پچکار کر بلایا پر وہ اس کے پاس نہ آیا۔ کھیت میں چاروں طرف دوڑ دوڑ کر بھونکتا رہا۔ ایک لمحے کے لیے آ بھی جاتا تو فوراً ہی پھر دوڑتا۔ فرض کی ادائیگی نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔

ایک گھنٹا گزر گیا۔ سردی بڑھنے لگی۔ ہلکو اُٹھ بیٹھا اور دونوں گھٹنوں کو چھاتی سے ملا کر سر کو چھپا لیا۔ پھر بھی سردی کم نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا خون منجمد ہو گیا ہے۔ اس نے اُٹھ کر آسمان کی جانب دیکھا۔ ابھی کتنی رات باقی ہے؟ ستارے ابھی اپنا نصف دورہ بھی ختم نہیں کر پائے تھے، جب وہ اوپر آ جائیں گے تو کہیں سویرا ہوگا۔

ہلکو کے کھیت سے تھوڑی دور کے فاصلے پر ایک باغ تھا۔ پت جھڑ شروع ہو گیا تھا۔ باغ میں پتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ہلکو نے سوچا، چل کر پتیاں بٹوروں اور ان کو جلا کر خوب تاپوں۔ رات کو کوئی پتیاں بٹورتے دیکھے تو سمجھے گا کہ کوئی بھوت ہے۔ کون جانے کوئی جانور ہی چھپا بیٹھا ہو مگر اب تو بیٹھے نہیں رہا جاتا۔

اس نے پاس کے ارہر کے کھیت میں جا کر پودے اُکھاڑے اور اس کا ایک جھاڑو بنا کر ہاتھ میں سلگتا ہوا اُپلا لیے باغ کی طرف چلا۔ جبرا نے اسے جاتے دیکھا تو پاس آیا اور دُم ہلانے لگا۔ ہلکو نے کہا، ”اب تو نہیں رہا جاتا۔ جبرا، چلو باغ میں پتیاں بٹور کر تاپیں۔ ٹانٹے ہو جائیں گے تو پھر آ کر سوئیں گے، ابھی تو رات بہت ہے۔“

جبرا نے کوں کوں کرتے ہوئے اپنے مالک کی رائے سے اتفاق کیا اور آگے آگے باغ کی جانب چلا۔ باغ میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ درختوں سے شبنم کی بوندیں ٹپ ٹپ ٹپک رہی تھیں۔ یکا یک ایک جھونکا مہندی کے پھولوں کی خوشبو لیے ہوئے آیا۔ ہلکو نے کہا، ”کیسی اچھی مہک آئی جبرا... تمھاری ناک میں بھی کچھ خوشبو آ رہی ہے؟“

جبرا کو کہیں زمین پر ایک ہڈی پڑی مل گئی تھی، وہ اسے چچوڑ رہا تھا۔

ہلکو نے آگ زمین پر رکھ دی اور پتّیاں بٹورنے لگا۔ تھوڑی دیر میں پتیوں کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ ہاتھ ٹھٹھرے جاتے تھے، ننگے پاؤں گلے جاتے تھے اور وہ پتیوں کا پہاڑ کھڑا کر رہا تھا۔ اسی الاؤ میں وہ سردی کو جلا کر خاک کر دے گا۔

تھوڑی دیر میں الاؤ جل اُٹھا۔ اس کی لَو اوپر والے درخت کی پتیوں کو چھو چھو کر بھاگنے لگی۔ اس ہلتی ہوئی روشنی میں باغ کے عالیشان درخت ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے وہ اس لا انتہا اندھیرے کو اپنی گردن پر سنبھالے ہوں۔ تاریکی کے اس اتھاہ سمندر میں روشنی ایک ناؤ کی مانند ہوتی تھی۔

ہلکو آگ کے سامنے بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ ایک منٹ میں اس نے اپنی چادر بغل میں دبائی اور دونوں پاؤں پھیلا دیے۔ گویا وہ سردی کو للکار کر کہہ رہا تھا... ”تیرے جی میں جو آئے کر...“ سردی کی اس بے پایاں طاقت پر فتح پا کر وہ خوشی کو چھپا نہ سکتا تھا۔

اس نے جبرا سے کہا، ”کیوں جبرے، اب تو ٹھنڈ نہیں لگ رہی؟“

جبرا نے کوں کوں کر کے گویا کہا، ”اب کیا ٹھنڈ لگتی ہی رہے گی؟“

”پہلے یہ تدبیر نہیں سوجھی تو اتنی ٹھنڈ کیوں کھاتے؟“

جبرا نے دُم ہلائی۔

”اچھا آؤ۔ اس الاؤ کو کود کر پار کریں۔ دیکھیں کون نکل جاتا ہے۔ اگر جل گئے بچہ تو میں دوا نہ کروں گا۔“

جبرا نے خوف زدہ نگاہوں سے الاؤ کی طرف دیکھا۔

”منی سے کل نہ کہہ دینا ورنہ لڑائی کرے گی۔“

> پریم چند نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں کسانوں کی مفلسی پر بہت لکھا ہے۔ 'پوس کی رات' میں بھی ہلکو مہاجن کے قرض سے پریشان ہے مگر ہزار پریشانیوں کے باوجود پریم چند کے زمانے میں کسی کسان نے کبھی خودکشی نہیں کی مگر آج کل ہم آئے دن سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں کہ ہمارے ملک کے کسان بینک کے قرض سے تنگ آ کر خودکشی کر رہے ہیں۔ یہاں ایک سوال یہ اُبھرتا ہے کہ کیا ہماری بینکوں کا نظام مہاجنی سود کے نظام سے زیادہ سفّاک ہے؟

یہ کہتا ہوا وہ اُچھلا اور اس الاؤ کے اوپر سے صاف نکل گیا۔ پیروں میں ذرا سی لپٹ لگ گئی پر وہ کوئی بات نہ تھی۔ جبرا الاؤ کے گرد

گھوم کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ہلکو نے کہا،"چلو چلو، اس کی نہیں، اوپر سے کود کر آ ؤ۔" وہ پھر کودا اور الاؤ کے اس پار آ گیا۔

پتیاں جل چکی تھیں۔ باغیچے میں پھر اندھیرا چھا گیا تھا۔ راکھ کے نیچے ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی جو ہوا کا جھونکا آنے پر ذرا جاگ اُٹھتی تھی پر ایک لمحے میں پھر آنکھیں بند کر لیتی تھی۔

ہلکو نے پھر چادر اوڑھ لی اور گرم راکھ کے پاس بیٹھا ہوا ایک گیت گنگنانے لگا۔ اس کے جسم میں گرمی آ گئی تھی۔ پر جوں جوں سردی بڑھتی جاتی تھی، اسے سستی دبائے لیتی تھی۔

دفعتاً جبرا زور سے بھونک کر کھیت کی طرف بھاگا۔ ہلکو کو ایسا معلوم ہوا کہ جانوروں کا ایک غول اس کے کھیت میں آ گیا ہے۔ شاید نیل گایوں کا تھا۔ ان کے کودنے اور دوڑنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں...پھر ایسا معلوم ہوا کہ کھیت میں چر رہی ہیں۔

اس نے دل میں کہا،"نہیں، جبرا کے ہوتے ہوئے کوئی جانور کھیت میں نہیں آ سکتا۔ نوچ ہی ڈالے گا... مجھے وہم ہو رہا ہے۔ اب تو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ مجھے بھی کیسا دھوکا ہوا...!"

اس نے زور سے آواز لگائی،"جبرا... جبرا...!"

جبرا بھونکتا رہا۔ اس کے پاس نہ آیا۔

جانوروں کے چرنے کی آواز چر چر سنائی دینے لگی۔ ہلکو اب اپنے کو فریب نہ دے سکا مگر اسے اس وقت اپنی جگہ سے ہلنا زہر معلوم ہوتا تھا۔ کیسا گرمایا ہوا مزے سے بیٹھا تھا...اس جاڑے پالے میں کھیت میں جانا، جانوروں کو بھگانا...ان کا پیچھا کرنا، اسے پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ بیٹھے بیٹھے جانوروں کو بھگانے کے لیے چلّانے لگا،"ہلو، ہلو ہو، ہو ہا ہا!"

مگر جبرا پھر بھونک اُٹھا۔ جانور کھیت چر رہے تھے۔ فصل تیار ہے مگر یہ ظالم جانور اس کا ستیاناس کیے ڈالتے ہیں۔ ہلکو پکا ارادہ کر کے اُٹھا اور دو تین قدم چلا۔ پھر یکایک ہوا کا ایک ایسا ٹھنڈا چبھنے والا بچھو کے ڈنک کا سا جھونکا لگا کہ وہ پھر بجھتے ہوئے الاؤ کے پاس آ بیٹھا اور راکھ کو کرید کرید کر اپنے ٹھنڈے جسم کو گرمانے لگا۔

جبرا اپنا گلا پھاڑے ڈالتا تھا۔ نیل گائیں کھیت کا صفایا کیے ڈالتی تھیں اور ہلکو گرم راکھ کے پاس خاموش بیٹھا تھا۔ افسردگی نے اسے چاروں طرف سے رسّی کی طرح جکڑ رکھا تھا۔

اسی راکھ کے پاس زمین پر وہ چادر اوڑھ کر سو گیا۔

سویرے جب اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا چاروں طرف دھوپ پھیل گئی تھی اور منی کھڑی کہہ رہی تھی،"تم کہاں آ کر مر گئے، ادھر سارا کھیت چوپٹ ہو گیا۔"

ہلکو نے اُٹھ کر کہا،"کیا! تو کھیت سے ہو کر آ رہی ہے؟"

منی بولی،"ہاں! سارے کھیت کا ستیاناس ہو گیا۔ بھلا ایسا بھی کوئی سوتا ہے۔ تمھارے یہاں منڈیا ڈالنے سے کیا فائدہ؟"

ہلکو نے بہانہ کیا،"میں مرتے مرتے بچا، تجھے اپنے کھیت کی پڑی ہے۔ پیٹ میں ایسا درد اُٹھا تھا کہ میں ہی جانتا ہوں۔"

دونوں پھر کھیت کے ڈانڈے پر آئے۔ دیکھا کھیت میں ایک پودے کا نام نہیں اور جبرا منڈیا کے نیچے چت پڑا ہے...گویا بدن میں جان ہی نہیں ہے...دونوں کھیت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ منی کے چہرے پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے فکرمند ہو کر کہا،"اب مجوری کر کے مال گجاری دینی پڑے گی۔ میں اس کھیت کا لگان نہ دوں گی۔ کہے دیتی ہوں کہ جینے کے لیے کھیتی کرتے ہیں، مرنے کے لیے نہیں۔"

6PMN2S

"جبرا ابھی تک سویا ہوا ہے۔ اتنا تو کبھی نہ سوتا تھا۔"

"آج جا کر شہنا سے کہہ دو، کھیت جانور چر گئے۔ ہم ایک پیسا نہ دیں گے۔"

"رات بڑی گجب کی سردی تھی۔"

"میں کیا کہتی ہوں، تم کیا سنتے ہو۔"

"تو گالی کھانے کی بات کہہ رہی ہے۔ شہنا کو ان باتوں سے کیا مطلب۔ تمھارا کھیت چاہے جانوروں نے کھایا ہو، چاہے آگ لگ جائے، چاہے اولے پڑ جائیں، اسے تو اپنی مال گجاری چاہیے۔"

"تو چھوڑ دو کھیتی، میں ایسی کھیتی سے باز آئی۔"

ہلکو نے مایوسانہ انداز سے کہا..."جی میں تو میرے بھی یہی آتا ہے کہ کھیتی باڑی چھوڑ دوں۔ منی! تجھ سے سچ کہتا ہوں مگر مجوری کا خیال کرتا ہوں تو جی گھبرا اُٹھتا ہے۔ کسان کا بیٹا ہو کر اب مجوری نہ کروں گا۔ چاہے کتنی ہی درگت ہو جائے، کھیتی کا کام نہ بگاڑوں گا..."

معانی و اشارات

شہنا	لگان وصول کرنے والا
گھڑکیاں دینا	جھڑکنا، ڈانٹنا
گردن بچنا	مصیبت ٹلنا
بھنویں ڈھیلی پڑنا	غصہ ختم ہونا
پچھوا	مغرب کی سمت سے چلنے والی ہوا
کلیجا نکال کر دینا	اپنی بہت پیاری چیز کسی کو مجبوراً دینا
اوکھ	گنّا
پَیال	گھاس پھوس کا بستر
کلیجا کانپنا	کپکپی چھوٹنا
ٹانٹے ہو جانا	جسم میں تھوڑی طاقت آنا
بے پایاں	بہت زیادہ
زہر معلوم ہونا	بُرا لگنا، ناگوار ہونا
پہاڑ معلوم ہونا	بہت مشکل محسوس ہونا
منڈیا	چھوٹا منڈپ
ڈانڈا	کنارا
درگت	بری حالت
گاڑھے کی چادر	موٹے کپڑے کی چادر

مشق

* سبق کا مطالعہ کر کے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

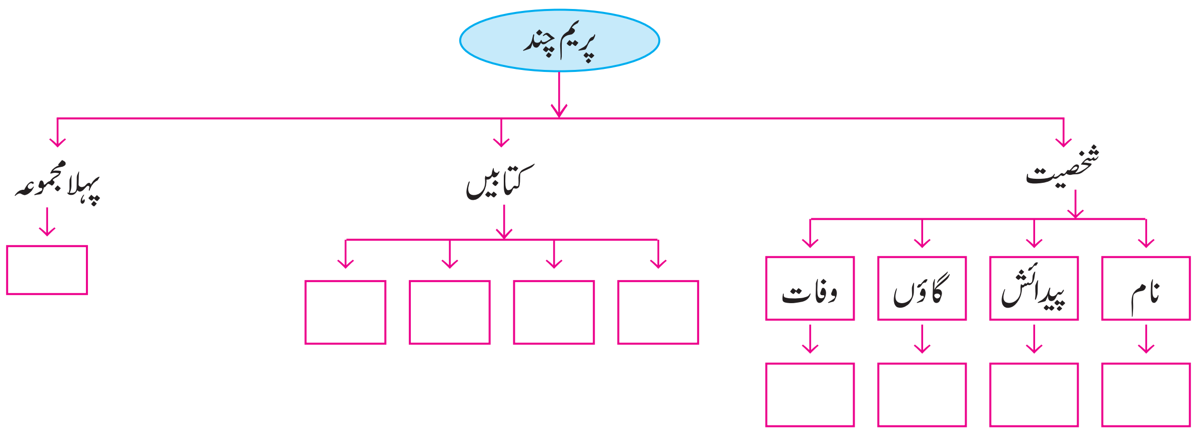

* سبق کے حوالے سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

کرداروں کے ذریعے ادا کیے ہوئے الفاظ کا املا

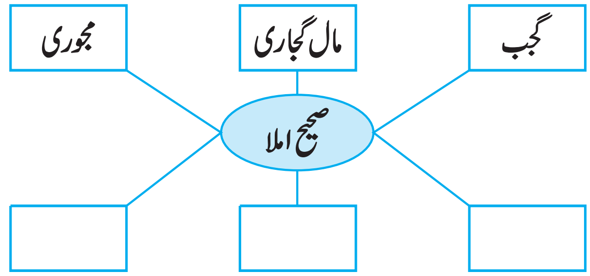

* صحیح متبادل کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

۱۔ پریم چند کا اصل نام ....
(دھنپت رائے ، دھنونت رائے ، دلجیت رائے)

۲۔ ہلکو شہنا کو روپے نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ اسے .... خریدنا تھا۔ (کمبل ، دوائیاں ، کھانا)

* اسباب بیان کیجیے۔

۱۔ لاؤ جو روپے رکھے ہیں، اُسے دے دوں۔
۲۔ اسے اس وقت اپنی جگہ سے ہلنا زہر معلوم ہوتا تھا۔
۳۔ سارے کھیت کا ستیاناس ہو گیا۔
۴۔ تو چھوڑ دو کھیتی، میں ایسی کھیتی سے باز آئی۔

* خط کشیدہ لفظ کو تبدیل کر کے ہم معنی لفظ لکھیے۔

۱۔ پوس کی اندھیری رات، آسمان پر تارے بھی ٹھٹھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔
(چاندنی رات ، تاریک شب)

۲۔ ہلکو اب اپنے آپ کو فریب نہ دے سکا۔
(دھوکا ، دلاسا)

* سردی سے بچنے کے لیے ہلکو کی تدبیروں کو سلسلہ وار لکھیے۔

* درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

۱۔ "لا دے دے، گردن تو کسی طرح سے بچے، کمبل کے لیے کوئی تدبیر سوچوں گا۔"
۲۔ "باقی چکانے کے لیے ہی تو ہمارا جنم ہوا ہے ...ایسی کھیتی سے باز آئے۔"
۳۔ ایسی انوکھی دوستی نے اس کی روح کے سب دروازے کھول دیے تھے اور اس کا ایک ایک ذرّہ حقیقی روشنی سے منوّر ہو گیا تھا۔
۴۔ اس ہلتی ہوئی روشنی میں باغ کے عالیشان درخت ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے وہ اس لا انتہا اندھیرے کو اپنی گردن پر سنبھالے ہوں۔

* خط کشیدہ فقروں کی جگہ درج ذیل محاورے مناسب ڈھنگ سے استعمال کر کے جملے دوبارہ لکھیے:

(گھڑکیاں دینا ، زہر معلوم ہونا ، پہاڑ معلوم ہونا ، بلا ٹلنا ، کلیجا کانپنا)

۱۔ مجھے اُس کی باتیں بہت بری لگیں مگر میں خاموش رہا۔
۲۔ ندی کا پانی اس قدر گہرا تھا کہ ڈُبکی لگاتے ہی اسے کپکپی چھوٹ گئی۔
۳۔ کسی کو بات بات پر جھڑکنا بُری بات ہے۔
۴۔ جو کام چور ہوتے ہیں، اُنھیں چھوٹا کام بھی بہت مشکل محسوس ہوتا ہے۔
۵۔ اگر آسانی سے مصیبت دور ہو جائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

* ہلکو کے بارے میں اپنی رائے دیجیے۔
* ہلکو کی بیوی کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
* اس افسانے کا مرکزی خیال لکھیے۔
* اُردو کی پانچ خاتون افسانہ نگاروں کے نام لکھیے۔
* جماعت میں مذاکرہ منعقد کر کے افسانہ 'پوس کی رات' کی خصوصیات پر بات چیت کیجیے۔
* اپنے پیشے کے بارے میں کسان اور مزدور کے درمیان مکالمہ لکھیے۔
* ہلکو اور اس کی بیوی کے درمیان جو گفتگو ہوتی ہے، برجستہ اور موقع محل کے اعتبار سے نہایت مناسب ہے۔ اسے اپنے لفظوں میں لکھیے۔

سرگرمی: اپنی لائبریری سے پریم چند کے افسانوں کا کوئی مجموعہ حاصل کر کے پڑھیے اور اپنی پسند کے کسی ایک افسانے کو اختصار کے ساتھ اپنی زبان میں لکھیے۔

میں یہاں بھی ہوں...

ساتویں جماعت - جغرافیہ - صفحہ ۵۲، سبق ۹

عملی قواعد

مخلوط جملہ

۱۔ روحانیت نے اس کے دل میں ایک نئی طاقت پیدا کر دی تھی جو ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں کو بھی ناچیز سمجھ رہی تھی۔

۲۔ ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی جو ہوا کا جھونکا آنے پر جاگ اُٹھتی تھی۔

۳۔ جب تجھے دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں۔

۴۔ وہ آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے، کافور ہو گئے۔

دی ہوئی مثالوں کے ان جملوں کو بھی دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے جیسے

ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی	-	جو ہوا کا جھونکا آنے پر جاگ اُٹھتی تھی
جب تجھے دیکھتی ہوں	-	باغ باغ ہوتی ہوں

ان جملوں میں 'جو - جب' لفظوں کے بعد کے فقرے مکمل خیال کا اظہار نہیں کرتے۔ پہلے فقرے سے سوال اُٹھتا ہے کہ ہوا کا جھونکا آنے پر کون جاگ اُٹھتی تھی؟ دوسرے فقرے سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تجھے کب دیکھتی ہوں؟ یہ دونوں فقرے بقیہ دونوں فقروں کے تابع ہیں جن کے معنی اپنے آپ میں پورے سمجھ میں آتے ہیں یعنی 'ابھی کچھ کچھ آگ باقی تھی' (مکمل جملہ) اور 'باغ باغ ہوتی ہوں' (مکمل جملہ) 'جو - جب' سے شروع ہونے والے فقروں کو بقیہ حصوں کے ساتھ ملا کر بولنے ہی سے ان جملوں کا پورا خیال سمجھ میں آتا ہے۔

ایسا جملہ جس کے فقرے ایک دوسرے کے تابع ہونے پر ہی مکمل خیال ادا کیا جا سکتا ہو، اسے 'مخلوط جملہ' کہتے ہیں۔

مخلوط جملوں میں 'جو - جس - جسے - جب - جہاں' وغیرہ ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں (انھیں ضمیر موصولہ کہتے ہیں)

* ذیل کے جملوں سے تابع فقرے الگ کر کے لکھیے۔

۱۔ ایک بہن اور تھی جو سسرال میں رہتی تھی۔

۲۔ رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی، گویا لوٹ مچا دی۔

۳۔ جس کے ہاتھ جو لگا، لے کر چلتا بنا۔

برسبیلِ تذکرہ...

جب انسان نے زراعت کے پیشے کو اختیار کیا تو اسے استحکام نصیب ہوا اور خانہ بدوشی سے اسے چھٹکارا مل گیا۔ اب وہ زمین میں کاشت کر کے طرح طرح کی فصلیں اُگانے لگا۔ اپنی بھوک مٹانے کے لیے یہ پیشہ انسان کے لیے شکاری پیشے کے مقابلے میں آسان تھا۔ رفتہ رفتہ اس پیشے کی اہمیت اس کی سمجھ میں آئی اور وہ غلے کو بچانے کی ترکیبیں بھی کرنے لگا۔ زراعت کے لیے اچھی زمین تلاش کرنے لگا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ چٹانوں والی زمین پر اگائی ہوئی فصلیں پانی سے بہہ جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں بطور تشبیہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی زراعت کی اہمیت سے خوب واقف تھے۔ جنگی محاذ پر فوجیں روانہ کرتے وقت آپؐ ہمیشہ یہ نصیحت کرتے کہ دشمنوں کی فصلوں کو برباد نہ کرنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو گزند نہ پہنچانا۔

حضورؐ درختوں اور ان کے پھلوں کی حفاظت کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک بار کسی صحابیؓ نے آپؐ کی ضیافت کے لیے باغ سے کچی پکی دونوں قسم کی کھجوریں توڑ لائیں تو آپؐ نے انھیں سمجھایا کہ کچی کھجوریں توڑ کر تم نے پھلوں کو ضائع کر دیا ہے۔

زراعت کی اہمیت کو سمجھانے کے لیے قرآن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "زمین میں جو دانہ تم بوتے ہو اس سے ایک پودا اُگتا ہے، پھر اس میں بالیاں نکلتی ہیں اور ہر بالی میں بہت سے دانے نکلتے ہیں۔" زراعت کے ذریعے حاصل کیے ہوئے اناج سے ہم اپنی بھوک مٹاتے ہیں۔

۱۔ آدمی کو خانہ بدوشی سے چھٹکارا ملنے کی وجہ لکھیے۔

۲۔ اس پیشے کا نام لکھیے جس کے مقابلے میں زراعت آسان پیشہ ہے۔

۳۔ فصلوں کے لیے چٹانی زمین مناسب نہ ہونے کا سبب لکھیے۔

۴۔ حضرت محمدؐ نے فوجیوں کو جو نصیحت کی تھی وہ بیان کیجیے۔

۵۔ کچی فصل توڑنے سے ہونے والا نقصان لکھیے۔

۶۔ قرآن میں بتایا گیا فصل اُگنے کا عمل بیان کیجیے۔

شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

زراعت سے جڑے پیشوں کے نام لکھیے۔

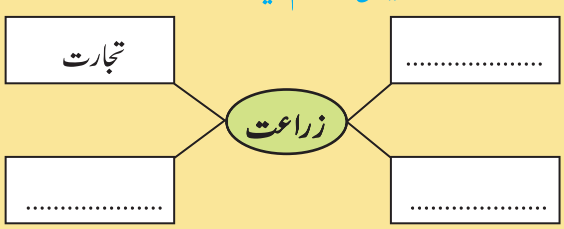

۳ دعوت

رشید احمد صدیقی

پہلی بات : سماج میں رہنے والے افراد بعض موقعوں پر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے، سکھ دکھ کی تقریبوں میں شرکت کرتے اور آپس میں تحفے تحائف کا لین دین بھی کرتے ہیں۔ ایسے کاموں میں ایک عام تقریب کھانے پینے کی دعوت بھی ہے۔ شادی بیاہ، موت میّت وغیرہ کے موقع پر لوگ ایک دوسرے کو کھانے پر بلاتے اور خود بھی کسی دوست کے ہاں کھانے پر جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر بھیڑ بھاڑ ہو تو کھانے پینے کے آداب ترک کر کے لوگ چھینا جھپٹی بھی کرتے نظر آتے ہیں جو انسانی تہذیب کے خلاف ہے۔ ذیل کے سبق میں مصنف نے دعوت کے الگ الگ منظروں میں لوگوں کے آپسی سلوک کو بڑے پرلطف انداز میں بیان کیا اور ڈھکے چھپے یہ بات کہی ہے کہ کھانے پینے کے وقت انسان کو انسان بنا رہنا چاہیے۔

جان پہچان : رشید احمد صدیقی ۱۸۹۲ء میں مڑیاہو، ضلع جونپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اُردو ادب کے پروفیسر رہے۔ کچھ عرصہ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) سے بھی وابستہ رہے۔ علی گڑھ سے دوبارہ وابستگی کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان کی طنز و ظرافت انفرادیت رکھتی ہے۔ وہ ہنسانے سے زیادہ ہنساتے ہنساتے سنجیدگی سے ہم کنار کرنے کا گر جانتے ہیں۔ 'طنزیات و مضحکات، خنداں، مضامینِ رشید، گنج ہائے گراں مایہ' اور 'آشفتہ بیانی میری' ان کی اہم تصانیف ہیں۔ انھوں نے ۱۹۷۷ء میں وفات پائی۔

طنز و مزاح نگاری زندگی کی ناہمواریوں اور مضحکہ خیز صورتِ حال کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کا فن ہے۔ مزاح نگار جس چیز پر ہنستا ہے، اس سے اس کو محبت ہوتی ہے اور اس لیے اس کا انداز ہمدردانہ ہوتا ہے۔ اس کا مقصد کبھی کبھی اصلاح بھی ہوتا ہے۔ طنز اور مزاح میں گہرا تعلق ہے۔ مزاح کی آمیزش سے اس کی تلخی میں کمی آجاتی ہے۔ کسی تحریر میں صرف طنز ہو تو اس کے ناگوار ہونے کا ڈر رہتا ہے اور نرا مزاح بے مقصد ہنسی ٹھٹھول بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے عموماً ادیب یا شاعر ان دونوں کی آمیزش سے کام لیتے ہیں۔ طنز و مزاح نگار سماج میں پھیلی ہوئی خرابیوں پر قلم سے نشتر کا کام لیتا ہے۔ وہ ادب میں اعلیٰ انسانی اقدار کو پیش کر کے مایوس اور افسردہ انسانوں کے زخموں پر مرہم لگاتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے طنز کی چوٹ اس قدر گہری ہوتی ہے کہ انسان تلملانے لگتا ہے لیکن غیر اِرادی طور پر وہ خود پر ہنستا بھی ہے۔

ایک مَثَل مشہور ہے: "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔" میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ یہ مَثَل بھی عام ہونی چاہیے: "مجھے دعوتوں سے بچاؤ۔" گو دوستوں سے بچنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ دعوتوں سے بھی نجات مل جائے گی۔

بھوک کی مانند دعوت کا بھی یہ حال ہے کہ اُس کا نہ کوئی وقت مقرر ہے اور نہ موقع۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہوگا ؎

کُلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں بھوک
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں بھوک
بھوک ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے بھوک کی آغوش میں

تہوار تقریب ہو، کوئی مہمان آیا ہو، کوئی چل بسا ہو، رقعۂ دعوت بہرحال موجود ہے، ماحضر موجود ہے اور ایک بزرگ نے تو جوش میں آکر اس کی بھی فرمائش کردی، "براہِ کرم تناول ماحضر فرمائیے۔"

دعوت میں نہ جایئے تو غرور یا بے توجہی کی شکایت۔ جایئے تو معدہ اور عاقبت دونوں خراب۔ میں نے جس جس قسم کی اور جن مواقع پر دعوت کھائی ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔ سب سے پہلی دعوت خوب یاد ہے۔ گو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ میرے کسی بزرگ کی دعوت رہی ہو اور وہ مجھے اُسی اُصول پر بن بلائے ساتھ لے گئے ہوں جس اُصول پر ریل میں کرایہ نہیں ادا کرنا پڑتا یعنی معصوموں کے لیے نہ کرایہ ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ رقعۂ دعوت کی۔

بعض ریلوے لائنوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں مفت سفر کیا جاسکتا ہے۔ اِدھر کے کوئی ٹکٹ کلکٹر اُس لائن پر مامور ہوئے۔ اُنھوں نے ایک بزرگ کو بے ٹکٹ سفر کرتے پکڑا تو اُنھوں نے نہایت گھُور کر عارفانہ ڈپٹ کے ساتھ کہا، "ابھی شراپ دوں گا، بھسم ہو جائے گا۔" بے چارے ٹکٹ کلکٹر ایسے مبہوت ہوئے کہ گاڑی کے نیچے کٹتے کٹتے بچے۔

پہلی دعوت مجھے ایسے صاحب کے ہاں کھانی پڑی جہاں ساری بستی مدعو تھی۔ مئی کا مہینہ اور دوپہر کا وقت۔ مکان و میدان کا کوئی نشیب و فراز ایسا نہ تھا جہاں کھانے والے نہ بیٹھے ہوں۔ فرش و دسترخوان کا وہاں کوئی دستوُر نہ تھا۔ جس کو جہاں جگہ مل گئی بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ میں گرم گرم تنوری روٹی دے دی گئی۔ مٹی کے ایک برتن میں زمین پر سالن رکھ دیا گیا۔ بھشتی نے مشک سے تام چینی کے گندے شکستہ گلاس میں پانی پلانا شروع کیا۔

سامنے ایک نیازمند کتّے صاحب بھی موجود تھے، دُم ٹانگوں کے درمیان، خود دو زانو بیٹھے ہوئے، نظریں نیچی، بہت کچھ بھوُکی، چہرے اور جسم پر ہِنسا کے غیر فانی نقوش، جن پر مکّھیاں مصروفِ غزل خوانی تھیں۔

پاس ہی ایک بوڑھے کھانستے جاتے تھے، کھاتے جاتے تھے اور خِلال کرتے جاتے تھے۔ ناتی گود میں، پوتا کندھے پر۔ پوتے نے ایک ہڈی کتّے کے سامنے پھینک دی۔ اب معلوم ہوا کہ ایک اور کتّے صاحب کہیں قریب ہی مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے جنھوں نے یک لخت غرا کر جو جست کی ہے تو میرے مقابل کے کتّے پر آ گرے۔ لیکن جست کے دوران دادا نانا پوتا ناتی کے پورے شجرۂ نسب کو ڈھاتے چلے گئے۔ خلال دادا یا نانا کے گلے میں جا پھنسا اور پوتے ناتی میرے سالن میں آ رہے۔ ایک ہلّڑ مچا۔ سارے کھانے والے بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ تو میرے ایامِ جاہلیت کا قصہ تھا۔ ہوش سنبھالا تو ایک مشہور شہر میں ڈیپوٹیشن پر جانے کا اتفاق ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ شام کو وہاں کی مشہور مسجد میں افطار پر ہم سب مدعو تھے جہاں ایک ہجوم تھا۔ ہمارے سامنے بھی افطاری رکھ دی گئی۔ ابھی ہم نے مشکل سے دو ایک لقمے فرو کیے ہوں گے کہ ایک حملہ ہوا۔ چند سورما ہم پر ٹوٹ پڑے اور جو کچھ سامنے تھا، اُسے چٹ کر کے آگے بڑھ گئے۔ معلوم ہوا کہ وہاں کا یہی دستور تھا۔

رات کو دعوت تھی۔ سارے مہمان دو زانو بیٹھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ٹھگوں کا گروپ ہے۔ ہم سب بھی بیٹھ گئے۔ ایک بڑی سینی میں بریانی کا اہرامِ مصر بنا ہوا تھا جس کے اوپر ایک دیگچی شوربے کی اُنڈیل دی گئی۔ لوگ سینی پر ٹوٹ پڑے اور براہِ راست دست بدہن ہو گئے۔ ہمارے دوست چپ چاپ بیٹھے رہے۔ میزبان تو اُنھیں دیکھ کر خاموش

ٹھگ

قدیم ہندوستان میں ڈاکوؤں اور قاتلوں کے ایک گروہ میں شامل لوگ ٹھگ کہلاتے تھے۔ یہ ایک مذہبی فرقہ بھی تھا جس میں ہندو مسلمان سبھی شامل تھے۔ ٹھگ گاؤں گاؤں پہنچتے، میلوں جاتراؤں میں بھیس بدل کر گھومتے اور جسے لوٹنا یا قتل کرنا ہوتا اس کے بارے میں ساری معلومات ایک خاص زبان میں اپنے ساتھیوں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ ان کے قتل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ مقتول کے گلے میں پھندا ڈال کر کَس دیتے تھے۔ سماج کے بہت سے امیر اور رئیس افراد ان کے حمایتی تھے۔ انگریز حکومت کے زمانے میں ٹھگوں کے خاتمے کی کوششیں کی گئیں۔ لارڈ ولیم بینٹنک نے چھے سال کے عرصے میں سیکڑوں ٹھگوں کو گرفتار اور قید کیا۔

رہے لیکن ایک بزرگ جن کی ڈاڑھی چاولوں کی مالا بن گئی تھی اور شوربا گنگا جمنی خضاب کی بہار دِکھا رہا تھا، قاب سے سر اُٹھائے بغیر بولے، "کھاؤ سیٹھ صاحب کھاؤ، نہیں تو ایک بندے کا مال ضائع ہوگا۔" دوست بولے، "بالکل درست، لیکن دوسرے کی جان بھی تو ضائع ہوگی۔"

وہاں کے زمانۂ قیام ہی میں ایک اور جگہ سے دعوت نامہ آیا۔ ہمارے میزبان وہاں کے معزز اور دولت مند ترین لوگوں میں سے تھے۔ ہم ڈرائنگ روم میں پہنچے تو دن کو تارے نظر آنے لگے۔ ایسی خوب صورت، قیمتی، پُرتکلف اور نایاب چیزیں ایک ساتھ کب دیکھنا نصیب ہوتی تھیں۔ البتہ اُن کا تذکرہ سنا یا طلسمِ ہوش رُبا میں پڑھا تھا۔

سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ کھانا ایسے ایسے یونیفارم یا لباسِ فاخرہ یا ملبوساتِ عروسی میں لایا جاتا کہ یہ طے کرنے میں دشواری ہوتی کہ اُن پر حملہ کیا جائے یا اُن کی عبادت کی جائے یا کھڑے ہوکر ترانہ گایا جائے۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ کس آلہ سے کس چیز پر حملہ کیا جائے۔ اس لیے کہ جان لینے کے لیے تو آپ آزاد ہیں، جو آلہ چاہیے شوق سے استعمال کیجیے لیکن کھانوں کے لیے مخصوص آلات مقرر ہیں۔ تیسری مصیبت یہ کہ جو کھانا پیش کیا جا رہا تھا، اُس کے دوسرے عزیز و اقارب نہ معلوم کون کون اور تھے جن کی عدم موجودگی میں کھانے کو ہاتھ لگانا بڑا گنوار پن ہوتا۔ میزبان کو مسکرانے اور خواہ مخواہ اخلاق برتنے سے فرصت کہاں کہ وہ کچھ بتائیں یا ہم پوچھ سکیں۔ بیروں کو دیکھیے تو زرہ بکتر اور چار آئینے لگائے ہوئے اس طور پر مصروفِ کار تھے جیسے بعض نالائق اور بد دماغ، امتحان کے ہال میں اُمیدواروں کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس قسم کے بیروں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو کچھ وہم سا ہونے لگتا ہے کہ یہ کہیں نہ کہیں اپنے یونیفارم یا پیٹی ٹھپّوں میں کوئی پیش قبض بھی چھپائے ہوئے ہیں۔ کھانا تھا کہ چلا ہی آ رہا تھا، ہم نے بھی چھری اس طور پر پکڑ رکھی تھی جیسے کسی قلم تراش چاقو سے گینڈے کی قربانی کرنے والے ہوں۔ کانٹا ہمارے ہاتھ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پلیٹ پر کوئی کیکڑا مسلّط ہے۔

خدا خدا کرکے کھانا ختم ہوا۔ کافی آئی، بغیر دودھ یا شکر کے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمبا کو کا گل پیس کر گرم پانی ملا دیا گیا ہے یا نادرشاہ کے اصلاحِ معدہ کے لیے املتاس کا مُسہل جام بلّوریں میں پیش کیا گیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ کافی سے انکار کیجیے تو بعض میزبان خفا ہوتے ہیں۔

فرض کیجیے کسی رئیس کے ہاں دعوت ہوئی۔ وہ کھانا اس طور پر کھلائے گا گویا مہمان کی سات پشتوں تک کو نواز ڈالا۔ قورمہ ہر دعوت میں ملتا ہے اور معمولی سے معمولی لوگ بھی اپنے گھروں میں کھاتے ہیں لیکن رئیس کے یہاں کا قورمہ کچھ اور ہوتا ہے۔ ادائے خاص سے فرمائیں گے، مولانا کہیے! قورمے سے بھی شوق فرمایا؟ جی ہاں، شکریہ، ماشاءاللہ۔ فرمائیں گے، صاحب! ایسا حُلوان دلّی بھر میں نہ ملے گا۔ بادام پر پلا تھا۔ ذرا بوٹی کی خستگی پر نظر رکھیے۔ سبحان اللہ! کیوں نہیں۔ ارشاد ہوتا، ہاں ہاں خوب کھائیے۔ بہت ہے جی۔

اہرامِ مصر (واحد: ہرم)

مصر کے اہرام دنیا کے عجائب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ مخروطی عمارتیں دراصل مصر کے فرعونوں کے مقبرے ہیں۔ ان میں ان کی ممیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ممی اس لاش کو کہتے ہیں جسے قدیم مصر کے لوگ ہرم میں لاش کو رکھنے سے پہلے خاص قسم کے مسالوں سے تیار کرتے اور لاش پر پٹیاں لپیٹ دیا کرتے تھے۔ مصر کا پہلا ہرم ۲۹۰۰ ق۔م میں تعمیر کیا گیا۔ اس کی سطح چوکور ہوتی ہے لیکن سطح سے بلندی کی طرف یہ مثلث کی طرح بڑھتا ہے اور اوپر جا کر چاروں کونے ایک نقطے پر مل جاتے ہیں۔ اس کی تعمیر میں پتھر کے بڑے بڑے چوکون ٹکڑے لگائے گئے ہیں۔ ان میں ہر پتھر کا وزن تقریباً ڈھائی ٹن کے برابر ہے۔ بہت سے اہرام اینٹوں کے بھی بنائے گئے ہیں۔ خوفو نامی فرعون کا ہرم سب سے بڑا ہے۔ اہرام میں بادشاہوں کی ممیوں کے ساتھ ان کا بہت سارا ساز و سامان اور غلام اور کنیزیں بھی بند کر دی جاتی تھیں۔ مصر والوں کا عقیدہ تھا کہ فرعون کی خدمت کے لیے دنیا میں استعمال کی جانے والی چیزیں اہرام میں بند کی جانی چاہئیں۔

اہرام جیسے مقبرے مصر کے علاوہ وسطی امریکہ اور میکسیکو کے مایا قبیلے والوں نے بھی تعمیر کیے ہیں۔

ہاں، خوب سیر ہوکر کھایا۔ نہیں نہیں، آپ تکلف کرتے ہیں۔ فلانے چلو! مولانا کو قورمہ اور دو۔ لیکن فلانے کو پکاریں گے اور قورمے کا آرڈر اس طور پر دیں گے گویا مولانا کو پٹوا دینے کا ارادہ ہے۔ قورمہ پلیٹ میں ڈال دیا گیا اور مولانا سے ارشاد ہوگا، مولانا! یہ باورچی اب دہلی میں اکیلا رہ گیا ہے۔ اس کا دادا معمولی حجام تھا، والد نے اس کو کھانا پکانا سکھایا۔ وہ خود کھانے کے بڑے شائق تھے۔ اب اس کا ثانی دور دور نہ ملے گا۔ بس مولانا! قورمہ کھا لیجیے۔ یہ چیز اب معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ غرض مولانا کو اس شفقت اور تپاک سے کھلائیں گے گویا کسی نابینا حافظ کو کھلا رہے ہیں۔

دوسری آفت ملاحظہ ہو۔ بعض میزبان حماقت اور محبت کے سلسلے میں اصرار کرتے کرتے کھانا آپ کی پلیٹ میں ڈال دیں گے اور فرمائش کریں گے، کھائیے! میرے سر کی قسم کھائیے۔ حالانکہ اس وقت جی یہی چاہتا ہے کہ پلیٹ سر پر مار لیجیے اور گریبان پھاڑ کر کہیں بھاگ جائیے۔ ایسی دعوت سے مجھ کو قلبی نفرت ہے جہاں میزبان بار بار کھانے کے لیے اصرار کرے اور اپنے ہاتھ سے میری پلیٹ میں کھانا رکھ دے اور کہتا یہ رہے کہ آپ کو کھانا پسند نہیں آیا۔ آپ کے لیے کچھ انتظام نہ ہوسکا۔ بھائی، جلدی میں یہی دال دلیا ہوسکا۔ آپ نے کچھ بھی تو نہیں کھایا۔ حالانکہ اُس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں یہ کہوں کہ ایسا کھانا مجھے تو کیا، میری سات پشت کو نصیب ہوا اور نہ ہوگا اور آپ نے جس مروّت اور ایثار کا ثبوت دیا ہے، اُس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔

بعض دعوتوں میں عجیب قسم کے بدتمیزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ بعض کھانا نہیں کھاتے، منہ میں جوتیاں چٹخاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ساری اُنگلیاں سالن میں ڈبو دیں گے اور منہ میں لقمے کی پذیرائی اس طور پر کریں گے جیسے سرکس کے گھوڑے کو چابک لگاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بدحواس ہوکر بہت زیادہ حصہ پلیٹ میں لے لیں گے، تھوڑا کھائیں گے اور بقیہ کو گھنگول کر چھوڑ دیں گے۔ ڈونگے میں سے بوٹیاں چمچے سے نکالنے کے بجائے ٹٹول ٹٹول کر اُنگلیوں سے نکالیں گے۔ کبھی پلیٹ میں نکالی ہوئی بوٹیوں کو پھر ڈونگے میں ڈال دیں گے۔ پانی پئیں گے تو معلوم ہوگا گویا بھری بوتل حلق میں اُنڈیلی جا رہی ہے اور گلے سے قلقل مینا کا کام لے رہے ہیں۔ کچھ لوگ چپاتی کے حاشیے توڑ توڑ کر دسترخوان پر انبار لگا دیں گے۔ سَنی ہوئی اُنگلیاں روٹی سے پونچھیں گے اور ڈکار اس طور پر لیں گے جیسے دوسرے کے دسترخوان پر نہیں، اپنی چارپائی پر ہیں۔

ناشتہ	صبح کا کھانا
ظہرانہ	دوپہر کا کھانا
عصرانہ	شام کی چائے/ ناشتہ
عشائیہ	رات کا کھانا

معانی واشارات

مَثَل	کہاوت	بھشتی	سقّہ، پانی پلانے والا
کلبۂ افلاس	غریب کا ٹوٹا پھوٹا گھر (مراد بہت زیادہ غریبی)	مَشک	پانی بھرنے کا چمڑے کا تھیلا
		ہِنسا	تشدد
قلزم	سمندر	مصروفِ غزل خوانی	غزل پڑھنے میں مصروف یہاں مراد مکھیوں کا بھنبھنانا
ماحضر	جو حاضر ہے		
شراپ	بددعا	خلال	دانت میں پھنسی ہوئی چیز نکالنے کی تیلی
مبہوت ہونا	ڈر جانا	جست	چھلانگ

ایامِ جاہلیت - جہالت کا زمانہ
ڈیپوٹیشن - عارضی تعین
فروکرنا - دبانا، مراد ڈنگلنا
سینی میں بریانی کا اہرامِ مصر - یہاں رکابی میں بریانی کے ڈھیر کو اہرامِ مصر کی طرح بتایا گیا ہے۔
طلسمِ ہوشربا - اُردو زبان کی ایک بڑی داستان
لباسِ فاخرہ - اعلیٰ قسم کا لباس
ملبوساتِ عروسی - دُلہن کا لباس
پیش قبض - خنجر
مسہل - جلاب کی دوا
حُلوان - بکری کا بچہ
معدوم - غائب
دال دلیا - معمولی کھانا
جُوتیاں چٹخانا - آوارہ گھومنا یہاں مُراد منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالنا
قلقلِ مینا - جام یا گلاس میں پانی ڈالے جانے کی آواز

مشق

* مناسب جوڑیاں لگائیے :

ستون 'الف'	ستون 'ب'
ا۔ مسجد میں	(الف) ٹھگوں کا گروپ
۲۔ رات کی دعوت	(ب) افطاری کی دعوت
۳۔ رئیس کی دعوت	(ج) سات پشتوں کو نوازنا

6PHJ4F

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

رشید احمد صدیقی کی تصانیف
....
....
....
....

* مشہور مثل 'مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ' سے مصنف نے 'مجھے دعوتوں سے بچاؤ' مثل بنائی ہے۔اس طرح سے آپ ایک مثل بنائیے۔

* سبق کی روشنی میں خاکہ مکمل کیجیے۔

دعوت میں جائیے تو .... / .... خراب

دعوت میں نہ جائیے تو .... / .... شکایت

* وضاحتی فقرے کے لیے ایک لفظ لکھیے۔

ا۔ دعوت میں مہمان کی خاطرداری کرنے والا -
۲۔ جسے دعوت دی جائے -
۳۔ کھانا بنانے والا -
۴۔ پانی پلانے والا -

* سبق میں ایک داستان کا تذکرہ مصنف نے کیا ہے۔ داستان کا نام لکھیے۔

* سبق کی روشنی میں جملے درست کیجیے۔

ا۔ مکان و میدان کا کوئی گوشہ یا کونہ ایسا نہ تھا جہاں کھانے والے نہ بیٹھے ہوں۔
۲۔ بھشتی نے مشکیزے سے پلاسٹک کے خوبصورت گلاس میں پانی پلانا شروع کیا۔
۳۔ ڈرائنگ روم میں پہنچے تو آسمان کے تارے نظر آنے لگے۔
۴۔ ایسی دعوت سے مجھ کو بہت محبت ہے جہاں میزبان بار بار کھانے کے لیے اصرار کرے۔

* 'دعوت نامہ' میں لاحقہ 'نامہ' ہے۔ لاحقے والے مزید چار الفاظ بنائیے۔
* عقیقے کی دعوت کا رقعہ بنائیے۔
* کسی 'دعوت ولیمہ' کی منظر کشی کیجیے۔
* سبق کی روشنی میں شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

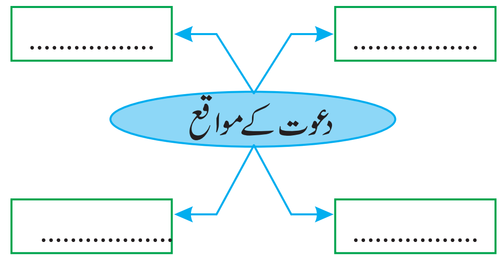

* مصنف کی کھائی ہوئی دعوتِ افطار اور آپ کے یہاں کی دعوتِ افطار کا موازنہ کیجیے۔
* 'مجھے دعوتوں سے بچاؤ' مصنف کے اس قول کی وضاحت کیجیے۔
* دعوتیوں کے بھاگ کھڑے ہونے کی وجہ بیان کیجیے۔
* "ڈاڑھی چاولوں کی مالا بن گئی تھی اور شوربا گنگا جمنی خضاب کی بہار دکھا رہا تھا۔" اس جملے کا مفہوم واضح کیجیے۔
* دولت مند شخص کی دعوت میں مصنف کی سب سے بڑی مصیبت بیان کیجیے۔
* سبق کی روشنی میں مسجد میں افطار کی دعوت کے دستور کے بارے میں اپنی رائے دیجیے۔
* کسی دعوت کا یادگار واقعہ جو آپ کے ساتھ پیش آیا ہو پندرہ سطروں میں لکھیے۔
* مندرجہ ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
چل بسنا ، دن میں تارے نظر آنا ، سات پشتوں کو نوازنا ، شوق فرمانا ، معدوم ہونا ، جوتیاں چٹخانا۔
* سبق میں استعمال ہوئے محاوروں کو تلاش کرکے لکھیے۔
* ذیل کے الفاظ کو حروفِ تہجی کے مطابق ترتیب دیں۔
عصمت ، تخلیقیت ، علالت ، خوبصورت ، برداشت ، اکثریت ، حیثیت ، تندرست

* رات کی دعوت کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
* "وہ اس کی ہر بات کا جواب جلی کٹی سنا کر دیتی ہے۔" جملے سے متعلق ایسا سوال بنائیے جس کا جواب خط کشیدہ الفاظ ہوں۔
* درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ عام طور پر اسکولوں میں سال کے آخر میں الوداعی جلسے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نویں جماعت کے طلبہ اس موقع پر اسکول کو الوداع کہنے والے دسویں جماعت کے طلبہ کے اعزاز میں جلسہ منعقد کرتے ہیں اور ضیافت کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی موقع کے لیے دسویں جماعت کے طلبہ کو مدعو کرنے کے لیے ایک خط لکھیے۔

۲۔ سجاد حیدر یلدرم کا مضمون 'مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ' انٹرنیٹ سے حاصل کرکے پڑھیے۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.urdudost.com

عملی قواعد

حروفِ عطف

مرکب جملے کی مثالوں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان میں دو جملوں کو بعض حروف/ الفاظ کی مدد سے جوڑا جاتا ہے۔ اب ذیل کی مثالیں دیکھیے۔

۱۔ جوان اور بوڑھے ۲۔ دودھ یا دہی
۳۔ یہ قصد کیا/ کہ/ بہن کے پاس چلے
۴۔ سب آئے/ مگر/ وہ نہ آیا

یہاں پہلی دو مثالوں میں دو لفظوں کو/ اور- یا/ سے جوڑا گیا ہے۔ دوسری مثالوں میں دو جملوں کو 'کہ-مگر' سے جوڑا گیا ہے۔ دو لفظوں یا جملوں کو جوڑنے والے یہ حروف 'حروفِ عطف' کہلاتے ہیں۔

* اپنے پڑھے ہوئے اسباق سے حروفِ عطف کی ایسی مثالیں تلاش کیجیے جن میں دو لفظوں اور دو جملوں کو جوڑا گیا ہو۔

اب یہ مثالیں غور سے دیکھیے۔

خشک و تر/ چشم و چراغ/ دشت و در/ نشیب و فراز/
فرش و دسترخوان/ عیش و عشرت/ باغ و بہار/ محنت و مشقت

اوپر کی پہلی دو مثالوں کی طرح یہاں بھی دو لفظوں کو جوڑا گیا ہے یعنی 'دشت اور در' وغیرہ۔ لیکن یہاں 'دشت' اور 'در' کو جوڑنے کے لیے حرفِ واو کا استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل یہ فارسی ترکیبیں ہیں۔ ایسی ترکیب میں 'اور' کے لیے 'و' استعمال کرتے ہیں۔ یہ اور ان جیسی بہت سی ترکیبیں اُردو میں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ انھیں عطفی ترکیب بھی کہتے ہیں اور لفظوں کو جوڑنے والا واو 'واوِ عطف' کہلاتا ہے۔

* سبق 'دعوت' سے واوِ عطف والی چند ترکیبیں تلاش کرکے لکھیے۔

عطفی ترکیب بنانے کا ایک طریقہ اور ہے:

پڑھے لکھے/ دن رات/ لاڈ پیار/ چھوٹے بڑے/ پھل پھول/ نوشت خواند/ امیر غریب وغیرہ۔ ان ترکیبوں میں حروفِ عطف 'اور- و' کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

* اپنے پڑھے ہوئے اسباق سے ایسی مثالیں تلاش کرکے لکھیے جن میں 'اور- و' کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

طنزیہ اور مزاحیہ ادب

ادب میں طنز و مزاح کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ اظہارِ خیال کے دو مختلف طرز ہیں۔ طنز میں زندگی کی ناہمواریوں اور برائیوں کو تیکھے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اظہار کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ سامع/ قاری لہجے کی چبھن کو نشتر کی طرح محسوس کرتا ہے۔ طنز کا مقصد دل آزاری نہیں ہوتا بلکہ فرد اور سماج کی اصلاح ہوتا ہے۔ طنز نگار بڑے سلیقے سے برائیوں کی جانب سماج کی توجہ مبذول کرتا ہے۔ اپنے لہجے کو خوشگوار بنانے اور اظہار کی تلخی کو کم کرنے کے لیے طنز میں مزاح کی بھی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ طنز قابلِ برداشت ہو اور لبوں پر ہنسی آجائے۔

اُردو میں طنزیہ و مزاحیہ ادب کی روایت بہت قدیم ہے۔ اُردو شاعری میں طنز و مزاح کو رواج دینے والا پہلا شاعر جعفر زٹلی ہے۔ اس نے سماجی اور سیاسی ناہمواریوں، بگڑتی ہوئی معاشرت، اقتصادی بدحالی اور تہذیبی زوال پر کڑا طنز کیا ہے۔ اس کے طنز کے نشتر اتنے تیز تھے کہ بادشاہِ وقت فرخ سیر نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ جعفر کے بعد اُردو شاعری میں طنز و مزاح کا ایک لمبا سلسلہ ملتا ہے۔ سودؔا نے طنز و مزاح پیدا کرنے کے لیے ہجو یہ انداز اپنایا تھا۔ ظریفؔ لکھنوی اور اکبرؔ الٰہ آبادی بیسویں صدی کے طنز و مزاح کے شاعر مانے جاتے ہیں۔ فی زمانہ طنز کے برخلاف ادب میں مزاحیہ عنصر کو مقبولیت حاصل ہے۔ مشاعروں میں مزاحیہ شاعر کے مشاعرہ لوٹ لینے کی مثالیں اکثر دیکھنے کو ملتی ہیں۔

اُردو شاعری کی طرح نثر میں بھی طنز و مزاح کی روایت رہی ہے۔ رتن ناتھ سرشارؔ کی کتاب 'فسانۂ آزاد' کو اس ضمن میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ویسی اُردو کی کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی۔ اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں لندن کے انگریزی اخبار 'پنچ' کی طرز پر لکھنؤ سے اُردو میں 'اودھ پنچ' اخبار جاری کیا گیا۔ اس کے لکھنے والوں میں منشی سجاد حسین، جوالا پرشاد برقؔ، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، رتن ناتھ سرشارؔ وغیرہ شامل تھے۔ یہ اخبار سیاسی جبر، سماجی ناہمواری اور تہذیبی اقدار کی گراوٹ پر کڑا طنز کرتا تھا تاکہ سماج کی بڑھتی ہوئی برائیوں کی اصلاح ہو جائے۔ بیسویں صدی میں تو طنز و مزاح لکھنے والوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، عظیم بیگ چغتائی، ملا رموزی، پطرس بخاری، شوکت تھانوی، مشتاق احمد یوسفی، مجتبیٰ حسین، یوسف ناظم وغیرہ نہایت اہم مزاح نگار مانے جاتے ہیں۔ سماج کی اصلاح کے لیے ہمارا طنزیہ و مزاحیہ ادب فائدہ مند ثابت ہو رہا ہے۔

۴

تہنید

سیّد سلیمان ندوی

پہلی بات: زبان بہت سے الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے مگر کوئی زبان اپنے آپ میں خالص نہیں ہوتی یعنی ہر زبان پر دوسری زبان یا زبانوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ اکثر لفظوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ خالص نہیں۔ اگر یہ اُردو میں استعمال کیے جارہے ہیں تو ان کی آوازیں اور ان کے معنی عربی، فارسی یا سنسکرت وغیرہ زبانوں سے اُردو میں آتے ہیں۔ لفظوں میں آوازوں اور معنوں کی تبدیلیاں فطری اور لازمی ہیں۔ یہ اچانک ہی سامنے نہیں آتیں۔ ان تبدیلیوں کو وجود میں آنے کے لیے زمانے لگ جاتے ہیں۔ ہماری زبان اُردو ہے۔ اُردو نے بھی دوسری بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانوں سے الفاظ لیے ہیں۔ ان لفظوں کو اپناتے ہوئے اُردو میں صوتی اور معنوی تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں۔ ذیل کے سبق میں ایسی ہی تبدیلیوں کے بارے میں بڑے دلچسپ انداز سے زبان کے ایک بڑے اہم اُصول کا تعارف کرایا گیا ہے۔

مضمون: مضمون ایک نثری صنف ہے۔ اس میں کسی موضوع پر مربوط انداز میں اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ مضمون میں علمیت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اس کے بیان میں خیالات کا تسلسل ضروری ہے۔ مضمون نگاری کا فن مستقل ترقی کررہا ہے۔ اُردو میں مضمون نگاری کا آغاز اُنیسویں صدی کے وسط سے ہوا۔ سرسیّد اور ان کے معاصرین نے قوم کی اصلاح کے ایک وسیلے کے طور پر مضمون لکھے۔ اس عہد میں عوام میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کے لیے مضامین لکھے گئے۔

جان پہچان: سیّد سلیمان ندوی ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد میں بڑے باکمال لوگ گزرے ہیں۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے سماجی روایت کے مطابق گھر پر حاصل کی پھر بہار کے مختلف مدرسوں میں داخل کیے گئے۔ اسی زمانے میں لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام ہوا۔ سیّد سلیمان نے ۱۹۰۱ء میں یہاں داخلہ لے لیا اور کئی علوم میں دسترس حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ صحافت سے بھی وابستہ رہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار 'الہلال' میں ادارت کی۔ پھر کسی وجہ سے یہ ملازمت چھوڑ کر وہ پونہ (مہاراشٹر) چلے آئے جہاں واڈیا کالج میں انھیں فارسی کا استاد مقرر کیا گیا۔ یہیں انھوں نے عبرانی اور انگریزی زبانوں میں استعداد پیدا کی۔ مولانا شبلی کے اصرار پر سیّد سلیمان ندوی نے اعظم گڑھ میں شبلی کے قائم کردہ ادارے 'دارالمصنّفین' کی ذمہ داری سنبھالی۔

سیّد سلیمان ندوی ایک بلند پایہ مصنف تھے۔ انھوں نے مذہب وفلسفہ، تاریخ اور زبان وادب میں اعلیٰ پایے کے تنقیدی اور تحقیقی مقالات لکھے۔ 'سیرتِ حضرتِ عائشہؓ، ارض القرآن، خطباتِ مدراس، نقوشِ سلیمانی' وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ مولانا شبلی 'سیرت النبیؐ' کے نام سے حضورِ اکرمؐ کی سیرت لکھ رہے تھے لیکن بیماری نے انھیں یہ کام مکمل نہ کرنے دیا۔ انھوں نے سیّد صاحب سے اصرار کیا کہ اسے مکمل کردیں۔ سیّد صاحب نے چھ جلدیں مزید لکھ کر اسے مکمل کیا۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ انھوں نے کراچی میں ۲۳ر نومبر ۱۹۵۳ء کو وفات پائی۔

تہنید کے اگر ہم ٹھیٹ معنی کریں تو 'ہندیانا' کہہ سکتے ہیں۔ یہ اصطلاح اصل میں عربوں سے چلی۔ وہ جب کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اُصول پر خراد کر اس کو عربی بناڈالتے تھے تو وہ اپنے اس عمل کو 'تعریب' کہتے تھے۔ یہی قاعدہ فارسیوں نے اپنی زبان میں جاری کیا تو اس کی 'تفریس' کرکے اسے فارسی بنالیا۔ اب جب اہلِ ہند یہی کریں یعنی کسی دوسری زبان کے لفظ کو اپنی زبان کے اُصول پر تراش خراش کرکے اپنی زبان میں ملالیں تو اس کو 'تہنید' کہیں گے۔

یہ اُصول زبانوں کے بڑھنے اور پھلنے کے لیے بہت مفید ہے۔ یہ قریب قریب دنیا کی سبھی زبانوں میں چلتا ہے اور اس کے مانے بغیر ممکن ہی نہیں کہ زبان ترقی کر سکے۔ بات یہ ہے کہ زبان جامد چیز نہیں۔ وہ ہمیشہ بڑھتی، پھلتی اور ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ جو زبان بڑھنا چاہے گی، اس کو دنیا کی دوسری زبانوں سے سروکار رکھنا پڑے گا اور قوموں کے میل جول کے ساتھ ان کی بولیوں اور لفظوں کی آمد و رفت بھی لگی رہے گی۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس میں دوسری زبانوں کے لفظ شامل ہوتے رہیں گے۔

ہر زبان کے لفظوں میں حرفوں کی خاص ترتیب اور اس ترتیب سے خاص شکل پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح انسان انسان سب برابر ہیں، پھر بھی فرنگی، حبشی، ہندی، چینی، ترکی سب کی شکلیں ایک سی نہیں ہوتیں۔ ہر ایک کا رنگ روپ اور ناک نقشہ ایک نہیں ہوتا۔ یہی مختلف بولیوں اور ان کے لفظوں کا حال ہے۔ اسی لیے ایک قوم کا آدمی جب دوسری قوم کی بولی کا لفظ لیتا ہے تو اس کی زبان کی فطرت مجبور کرتی ہے کہ ارادے اور احساس کے بغیر اس کی شکل بدل دے۔ ہندوستان کے باہر کا آدمی خواہ کچھ ہی کرے، وہ ہمارے ہندی حرفوں کو کبھی نہ بول سکے گا۔ وہ اس کو کچھ نہ کچھ بدل دے گا۔ اور نہ وہ ہمارے لہجے سے ہمارے لفظوں کو نکالے گا، وہ اس میں بھی کچھ ہیر پھیر کرے گا۔

یہی حال ہندیوں کا بھی ہے۔ عربی کے خاص حروف وہ ادا نہیں کر سکتے۔ ع، ہمزہ اور الف میں اور ث، ص اور س میں اور ت اور ط میں وہ فرق نہیں کر سکتے۔ اس لیے دوسری زبان کا جو لفظ ہمارے یہاں آئے گا، وہ جب تک اپنی بیگانگی چھوڑ کر بالکل گھریلو نہ بن جائے گا، وہ ہمارے دیس میں رہ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزی وغیرہ کے جو ہزاروں لفظ ہماری زبان میں آ گئے ہیں، وہ ہماری زبان کے قاعدوں پر چڑھ کر ہماری زبان کی شکل وصورت اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔

عربی کا صحیح لفظ تمنّی ہے مگر فارس والوں نے اس کو لیا تو تمنا کر دیا اور ہم نے بھی اسی کو قبول کیا۔ عربی تماشی کو ایرانیوں نے تماشا کیا اور ہم کو بھی یہی تماشا پسند آیا۔ لالٹین کی اصل لینٹرن ہے مگر ہم کو لالٹین ہی کی روشنی پسند ہے۔ لفظ تبادلہ عربی کے لحاظ سے غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن ہماری زبان میں یہ صحیح ہے۔ اس کو چھوڑ کر مُبادَلہ یا تبادُل بلوانے کی کوشش زبردستی ہے۔

اسی سے کسی زبان کی خودمختارانہ حکومت کا پتا چلتا ہے۔ لفظ خواہ کسی قوم اور ملک کے ہوں، جب وہ دوسری قوم اور ملک کی زبان میں چلے جاتے ہیں تو ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو پیدا کہیں ہوئے ہوں لیکن جب کسی دوسرے ملک کی رعایا بن جاتے ہیں تو اسی دوسرے ملک کے قاعدے اور قانون ان پر چلا کرتے ہیں۔ اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کی پیدائش کہاں کی ہے اور یہ پہلے کس کی رعایا تھے۔

کسی لفظ کو ہندوستانی بنانے کے بعد ہم کو حق ہے کہ ہم اس کے وہ معنی سمجھیں جو اصل معنی سے مجاز کے طور پر یا اس کے قریب ہونے یا کسی لگاؤ کی وجہ سے ہماری زبان میں پیدا ہو گئے ہیں۔

اسی فقرے میں دیکھیے کہ وجہ عربی لفظ ہے۔ عربی میں اس کے معنی 'منہ' کے ہیں۔ اس سے رُخ کے معنی پیدا ہوئے اور اس سے سبب کے معنی پیدا ہو گئے۔ خود سبب کیا ہے۔ عربی میں اس کے معنی رسّی اور ڈوری کے ہیں جس سے کسی کو باندھا جائے۔ اس سے عربی میں ذریعہ کے معنی پیدا ہو گئے۔

لفظ نقد کو تو دیکھیے کہ یہ کیا ہے۔ نقد کے عربی معنی پرکھنے کے ہیں۔ اس سے ریویو کے معنی میں آج کل نقد یا تنقید بولتے ہیں۔ چونکہ پرکھے سکّے جاتے ہیں، اس سے فارسی میں نقد کے معنی سکّے کے ہو گئے اور دام کی صورت میں سکّے دیے جاتے ہیں، اس لیے اُردو میں نقد دام کے معنی اس دام کے ہوئے جو فوراً دیے جائیں اور نقد اور اُدھار دو مقابل کے اُردو لفظ ہو گئے۔

’علاقہ‘ ہندوستان میں زمینداری کے گاؤں کو کہتے ہیں۔عربی میں اس کے معنی لگاؤ کے ہیں۔اسی لگاؤ سے ہر چیز جس سے آپ کو لگاؤ ہے، آپ کا علاقہ ہے۔’غدر‘ کے معنی عربی میں بے وفائی کرنے کے ہیں۔اس سے اس بے وفائی کو کہنے لگے جو فوج اپنے عہد کو توڑ کر اپنے افسروں سے کرے۔اس فوجی بے وفائی کا نتیجہ بدامنی ہے۔

ایک بادشاہ کی جگہ پر جب دوسرا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو اس کے لیے عربی لفظ ’جلوس‘ غیر عربوں نے استعمال کیا جس کے معنی بیٹھنے کے ہیں اور ’سالِ جلوس‘ تخت نشینی کے سال کی اصطلاح بنی اور چونکہ جب نیا بادشاہ پہلی دفعہ تخت پر بیٹھتا تھا تو تزک و احتشام اور لاؤلشکر کے ساتھ نکلتا تھا تو ہم ہندوستانی تزک و احتشام کے ساتھ کسی مجمع کے نکلنے کو جلوس کہنے لگے۔اس کو عربی سے کوئی تعلق نہیں۔اور جب بادشاہ اور حاکم دربار میں بیٹھے تو ہم نے جلوس سے اجلاس بنا لیا جس کے معنی بٹھانے کے ہیں اور اب نئے زمانے میں انجمنوں اور جلسوں کے بھی اجلاس ہونے لگے۔

جس جگہ بیٹھیں، عربی میں اس کو مجلس کہتے ہیں۔بعض علما اور صوفیا نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ خاص دنوں میں بیٹھ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے اور درس دیتے تھے۔اس سے اس قسم کی نشست اور پھر اس نشست کی تقریروں کو مجلس کہنے لگے۔ہندوستان میں ایسی نشستوں کو کہتے ہیں جن میں لوگ مذہبی اور علمی تقریریں کریں یا مرثیے پڑھیں اور اس سے ہم نے علمِ مجلس بنایا جس میں تہذیب و شائستگی کے ساتھ مجلسوں میں اُٹھنے بیٹھنے اور سلیقہ اور دلچسپی کی باتیں کرنے کے ڈھنگ سکھائے گئے۔

دولت عربی لفظ ہے۔معنی: ’ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانا‘ عرب میں جب مختلف سلطنتیں یکے بعد دیگرے بنیں اور مٹیں تو سلطنت کو دولت کا نام دیا گیا اور جمع دَوَل بنائی گئی۔ان معنوں میں آج بھی دولتِ برطانیہ اور دَوَلِ یورپ ہم بولتے ہیں۔سلطنت اور بادشاہی خوش قسمتی سے ہاتھ آتی ہے اس لیے ایرانی دولت کو خوش قسمتی کے معنوں میں بولنے لگے۔جس کی یادگار فارسی کی بدولت ہماری ہندوستانی میں بھی لفظ ’بدولت‘ بولا جاتا ہے۔جیسے کہتے ہیں آپ کی بدولت یہ ملا اور پھر بدولت ذریعہ کے معنی میں ہو گیا۔خوش قسمتی کی بڑی نشانی زر و مال ہے اس لیے یا اس لیے کہ یہ زر و مال بھی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا ہے، اس کو بھی دولت کہنے لگے اور اس سے دولت، دولت مند اور دولت مندی کے لفظ ہندوستانی کو ہاتھ آئے۔

عربی میں ’غصہ‘ کے معنی حلق میں کسی چیز کے اٹک جانے کے ہیں۔ہندوستانی میں اس کے معنی غیظ و غضب کے ہو گئے۔’خفا‘ فارسی میں ’خفہ‘ ہے اور معنی وہی گلے میں اٹکنے اور پھنسنے کے ہیں، ہندوستانی میں ’خفا ہونا‘ ناراض ہونے کے معنی میں ہے۔

بعض لفظ خیالات کی بدولت ہاتھ آئے ہیں۔عربی میں ’فلک‘ آسمان کو کہتے ہیں۔چونکہ نجوم اور جیوتش نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ ہماری ساری مصیبتیں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہیں، اس سے ہم نے فلک سے ’فلاکت‘ بنایا اور اس سے فارسی کی ترکیب دے کر فلاکت زدہ (فلاکت کا مارا) کیا اور پھر اس کو عربی لفظ سمجھ کر اس کا مفعول ’مفلوک‘ بنا لیا اور عربی اضافت دے کر مفلوک الحال کہہ دیا۔حالانکہ اس کے ان معنوں کو عرب جانتا بھی نہیں۔

اس قسم کے ہزاروں عربی لفظ ہیں جو اپنے خاص معنوں میں ہماری زبان کے خاص لفظ ہو گئے ہیں۔یہی حال فارسی کا بھی ہے۔فارسی کے بہت سے لفظ اور ترکیبیں ہیں جن کو ہم نے اپنے ہندوستانی معنوں کے لیے ہندوستانی لفظ بنا لیا ہے۔فارسی میں ’دان‘ لگا کر ظرف بنتا ہے جیسے خاکدان یعنی زمین۔ہندوستانی میں اس سے ہم نے بیسیوں لفظ بنائے جیسے پاندان، اُگالدان، خاصدان، عطردان، قلمدان، جزدان، چائے دان، دودھ دان، شکردان، روشن دان، سنگاردان، شمع دان۔تصغیر کے لیے دان کو ہم نے کبھی ’دانی‘ بھی کر دیا جیسے سرمہ دانی، گوند دانی، مچھر دانی، تلے دانی (سوئی تاگا رکھنے کے لیے)

ہندوستانی نے یہی عمل ہندی اور سنسکرت کے لفظوں کے ساتھ کیا ہے۔ ہندی اور سنسکرت سے لفظوں کو اپنانے کے لیے ان کی شکلیں بدلی ہیں۔ ان کو ہلکا کیا ہے۔ ان کی ترکیبوں سے نئے نئے لفظ بنائے ہیں۔ گنگا اور جمنا دو دریاؤں کے نام ہیں۔ سونے چاندی کے ملان سے جو نقاشی کی جائے، وہ گنگا جمنی ہے۔ لفظ ब्रहमण تھا، جو ذرا بھاری تھا۔ اس کو ہماری زبان نے برہمن کر دیا۔ اسی طرح गुण کو 'گن' کر کے اس کو ہلکا کر دیا۔ برکھارت نے برسات کی شکل اختیار کی، وچار بچار ہو گیا اور سوچ بچار کے ساتھ بولا جانے لگا۔ آشا نے آس ہو کر یہ مثل کہلوائی کہ جب تک سانس ہے، تب تک آس ہے۔ اس طرح ہندی اور سنسکرت کے لاتعداد لفظوں کو ہندوستانی نے ذرا ذرا ہیر پھیر سے اپنے رنگ میں رنگ کر ان پر نیا رنگ چڑھا دیا ہے۔ غرض عربی، فارسی اور سنسکرت نسل کے ان ہندوستانی بچوں کی تعداد بے شمار ہے۔ اور ہر خود مختار زبان کو اس کا حق ہے کہ وہ دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی رعایا بنانے کے لیے ان کے ساتھ یہ سلوک کرے۔

معانی و اشارات

خَرادنا	-	چھیلنا، کانٹ چھانٹ
جامد	-	رُکا ہوا، جما ہوا
مبادلہ	-	تبدیلی
تبادل	-	تبدیلی
تزک و احتشام	-	عظمت، شان و شوکت
ظرف	-	(مراد اسم ظرف) کسی چیز کو رکھنے کا برتن وغیرہ
تصغیر	-	چھوٹا بنانا

مشق

* جان پہچان کی مدد سے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

سیّد سلیمان ندوی
- شخصیت
  - پیدائش ....
  - وفات ....
  - وطن ....
  - اعلیٰ تعلیم ....
- خدمات
  - ادارت → ....
  - تصانیف → .... | .... | .... | ....
- زبانوں پر مہارت
  - .... | .... | ....

* پاندان، اُگالدان وغیرہ میں 'دان' کے لفظی جز کو 'لاحقہ' کہتے ہیں۔ دوسرے لاحقوں کے استعمال کی مثالیں لکھیے۔
* ذیل کے لفظوں کے معنی لغت سے تلاش کر کے لکھیے:

ٹھیٹ، ہیر پھیر، گھریلو، لگاؤ، جیوتش، ملان

* سبق میں ایک جملہ آیا ہے: اس کو دنیا کی دوسری زبانوں سے سروکار رکھنا پڑے گا۔ دنیا کے لیے اُردو میں استعمال ہونے والے دوسرے الفاظ لکھیے۔
* خانہ پُری کیجیے۔

۱۔ کسی دوسری زبان کے لفظ کو عربی بنانے کا عمل .....

۲۔ کسی دوسری زبان کے لفظ کو فارسی بنانے کا عمل ....

۳۔ غیر ملکی زبان کے لفظ کو ہندوستانی بنانے کا عمل ......

* لفظ 'جلوس' کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔
* سبق کی روشنی میں لفظ 'نقد' کی تشریح کیجیے۔

6Q6F63

* لفظ 'غدر' کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔
* سبق کی روشنی میں دی ہوئی سرگرمی مکمل کیجیے۔

مثال : آشا : آس

برکھارت : .... :: وچار : ....

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

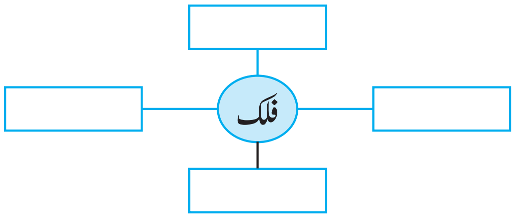

* اس سبق میں جن زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ دو زبانوں کے نام لکھیے۔
* انٹرنیٹ سے اُردو زبان کے پرانے نام معلوم کر کے لکھیے۔
* آپ جو زبانیں پڑھتے ہیں ان کے نام لکھیے۔

عملی قواعد

فعل ناقص/ لازم/ متعدی

ذیل کے جملوں کو غور سے پڑھیے۔

۱۔ دولت عربی لفظ ہے۔
۲۔ ہماری ساری مصیبتیں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہیں۔
۳۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔
۴۔ یہ لفظ ذرا بھاری تھا۔
۵۔ میرے ساتھ نہ آنا، نہیں تو ٹھنڈے ہو جاؤ گے۔
۶۔ ابھی شراپ دوں گا، بھسم ہو جائے گا۔

ان جملوں میں الفاظ 'ہے ، ہیں / تھے ، تھا / ہو جاؤ گے ، ہو جائے گا' فعل 'ہونا' سے بنے ہیں۔ فعل کی ایسی صورتوں کو فعل ناقص کہتے ہیں اور ان کا تعلق تینوں زمانوں سے ہوتا ہے۔

* ذیل کے ویب خاکے کو مکمل کیجیے۔

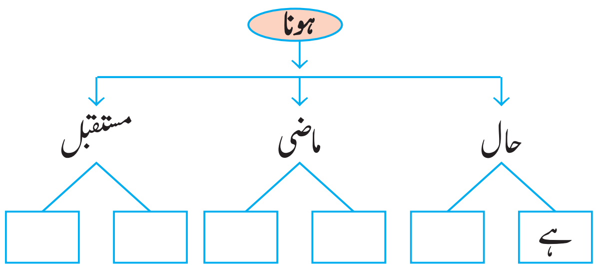

زبان استعمال کرتے وقت اکثر جملوں میں "کام کرنے والا" / اور / "وہ چیز جس پر کام کا اثر ہوتا ہے" جیسے عوامل موجود ہوتے ہیں مثلاً ذیل کے خاکے کو بغور دیکھیے اور پڑھیے :

ہندوستان کے باہر کا آدمی	ہندی حرفوں کو	بول نہ سکے گا
کام کرنے والا	جس پر کام کا اثر پڑا	کام
فاعل	مفعول	فعل

فاعل، مفعول اور فعل جملے کے تین اجزا ہیں۔

اب یہ جملے پڑھیے :

۱۔ ہم پسند کرتے ہیں۔
۲۔ لکڑہارا چلا گیا۔
۳۔ کاتب نے لکھا۔

ان جملوں میں 'ہم/لکڑہارا/ کاتب' فاعل ہیں۔ 'کرتے ہیں/ چلا گیا/ لکھا' فعل ہیں۔ ان جملوں میں مفعول نہیں ہیں پھر بھی جملوں سے پوری بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ایسے جملوں کے فعل کو 'فعل لازم' کہتے ہیں اور ان میں فعل کا اثر فاعل پر پڑتا ہے مثلاً رونا، ہنسنا، آنا، جانا، سونا، مرنا وغیرہ فعل لازم ہیں۔

اب یہ جملے غور سے پڑھیے : ۱۔ مولانا آزاد نے جاری کیا۔
۲۔ وہ ادا نہیں کر سکتے۔ ۳۔ شاعر سناتا ہے۔

ان جملوں میں 'مولانا آزاد، وہ، شاعر' فاعل ہیں اور 'جاری کیا، نہیں کر سکتے، سناتا ہے' فعل ہیں۔ لیکن یہ جملے اپنا پورا مطلب واضح نہیں کرتے۔ جب ہم کہیں گے کہ ۱۔ مولانا آزاد نے اخبار جاری کیا۔ ۲۔ وہ خاص عربی حروف ادا نہیں کر سکتے۔ ۳۔ شاعر غزل سناتا ہے۔

تبھی ان جملوں کا مطلب سمجھ میں آئے گا یعنی یہاں الفاظ 'اخبار، خاص عربی حروف، غزل' بڑھائے گئے ہیں جو اِن جملوں کے مفعول ہیں۔ وہ جملہ جو اپنے فاعل کے ساتھ مل کر پورے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کا مطلب پورا ہونے کے لیے مفعول بھی ضروری ہے، ایسے جملے کے فعل کو 'فعل متعدی' کہتے ہیں مثلاً کھانا، پینا، پڑھنا، سونگھنا وغیرہ۔

ذیل کے جملوں کو ان کے تین اجزا میں تقسیم کیجیے۔

۱۔ وہ ہندی حرفوں کو کبھی نہ بول سکے گا۔
۲۔ فارسی والوں نے یہ لفظ بدل دیا۔
۳۔ وہ ہر سکہ پرکھتے ہیں۔

۵ قسمت بیگ

سلام بن رزّاق

پہلی بات : ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کی لڑائی کو 'جنگِ آزادی' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی کمان دلّی کے بادشاہ بہادر شاہ ظفؔر کے ہاتھ میں تھی۔ جنگ میں ہندوستانیوں کو شکست ہوئی اور بہادر شاہ ظفؔر کو قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ اس شکست کے بعد شاہی خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ قسمت بیگ شاہی خاندان کا ایک فرد ہے۔ اس سبق میں اس کی زندگی کے نشیب و فراز کو ڈرامے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل کا ڈراما 'قسمت بیگ' خواجہ حسن نظامی کے مضمون 'خانساماں شہزادہ' پر مبنی ایک ریڈیو ڈراما ہے۔

جان پہچان : سلام بن رزّاق اُردو کے ایک ممتاز ادیب ہیں۔ وہ ۱۵ر نومبر ۱۹۴۱ کو پنویل (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ وہیں انھوں نے تعلیم حاصل کی اور روزگار کے سلسلے میں ممبئی آ کر بس گئے۔ پینتیس سالہ تدریسی خدمات کے بعد ۱۹۹۹ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اُردو دنیا میں وہ ایک منفرد اور معتبر افسانہ نگار کی حیثیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اُن کے افسانوں کے چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں: 'ننگی دوپہر کا سپاہی، معبر، شکستہ بتوں کے درمیان' اور 'زندگی افسانہ نہیں'۔ ان میں 'شکستہ بتوں کے درمیان' پر ۲۰۰۴ء میں انھیں ساہتیہ اکیڈمی کے انعام سے سرفراز کیا گیا۔ انھوں نے کئی مراٹھی اور ہندی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ ساہتیہ اکیڈمی کے ترجمہ ایوارڈ سے بھی نوازے جا چکے ہیں۔ انھیں ڈراما نگاری اور بچوں کے ادب سے بھی دلچسپی ہے۔

ڈراما وہ فن ہے جس میں ایک پلاٹ اور قصہ ہوتا ہے جو کرداروں، مکالموں اور اداکاری کے ذریعے حاضرین کے روبرو عملی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ڈرامے نے اب کافی ترقی کر لی ہے یعنی اسٹیج ڈرامے کے علاوہ نکڑ ڈرامے، ریڈیو ڈرامے اور ٹیلی ویژن ڈرامے کی بھی ایک مستحکم روایت بن چکی ہے۔ ڈرامے کی یہ روایت سیکڑوں سال پرانی ہے مگر ریڈیو ڈرامے کی عمر ایک صدی سے زیادہ نہیں۔ فن، تکنیک اور پیش کش کے لحاظ سے ریڈیو ڈراما اسٹیج ڈرامے سے مختلف ہوتا ہے البتہ اسٹیج ڈرامے کی طرح ریڈیو ڈرامے میں بھی کہانی، پلاٹ، کردار اور مکالمے کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ریڈیو ڈرامے میں مکالموں کی خاص اہمیت ہے۔ کرداروں کی تعمیر، مناظر کی عکاسی، کرداروں کی حرکات و سکنات سبھی کچھ مکالموں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے مکالموں کے اُتار چڑھاؤ کے ذریعے سامعین کے ذہن و دل پر ایسی خیالی تصویریں اُبھاری جاتی ہیں جو عام تصویروں سے کہیں زیادہ پُر اثر ہوتی ہیں۔ ریڈیو ڈرامے میں موسیقی کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ سازوں اور آوازوں کے ذریعے مختلف کیفیات کا سماں باندھتے ہیں مثلاً جھرنوں کی آواز، چڑیوں کی چہچہاہٹ، طوفان اور سیلاب کی ہولناکی، بجلی کی کڑک، دریا کی روانی، بندوقوں اور توپوں کی گرج یہاں تک کہ خاموشی اور سناٹے کو بھی آوازوں کے اُتار چڑھاؤ اور صدائے باز گشت کے ذریعے سامع تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ریڈیو ڈرامے میں 'فیڈ آؤٹ' اور 'فیڈ اِن' کے ذریعے منظر بدلتے ہیں۔ جب کوئی منظر ختم ہوتا ہے تو 'فیڈ آؤٹ' کے ذریعے آوازیں ڈوبنے لگتی ہیں۔ 'فیڈ اِن' کے ذریعے نیا منظر شروع ہوتا ہے۔ فیڈ آؤٹ اور فیڈ اِن کے لیے موسیقی کا خاص طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ریڈیو ڈرامے کا دورانیہ پندرہ منٹ سے لے کر ایک گھنٹے تک ہو سکتا ہے۔

کردار

قسمت بیگ/ تیمور شاہ	– خانساماں شہزادہ	مہاراجا	– محمود آباد کے راجا
فرید خان	– شاہی ملازم	بیگم زینت محل	– بہادر شاہ ظفر کی بیوی
افسر	– انگریز فوج کا ہندوستانی سپاہی		

(ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز...دھیرے دھیرے موسیقی کی آواز فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ ... (موسیقی)

...فیڈ اِن...

قسمت بیگ: آداب عرض ہے، مہاراج!

مہاراجا : آؤ، آؤ قسمت بیگ، کہاں چلے گئے تھے؟

قسمت بیگ: حضور! میری ڈیوٹی ختم ہوگئی تھی۔ ہم لوگ چھ چھ گھنٹے کی ڈیوٹی کرتے ہیں۔ میرے لائق کوئی کام ہو تو حکم دیجیے۔ آپ کی خدمت میرے لیے باعثِ عزّت ہوگی۔

مہاراجا : خدمت کے لیے تو یہاں کے دوسرے ویٹر اور ہمارے نوکر کافی ہیں۔ ہم تو تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

قسمت بیگ: حضور! یہ تو آپ کی ذرّہ نوازی ہے ورنہ میں کیا اور میری باتیں کیا۔

مہاراجا : نہیں قسمت بیگ، تم عام ویٹروں جیسے نہیں ہو۔ تمھارے طور طریقے، تمھارا اندازِ گفتگو، تمھاری سلیقہ مندی بتاتی ہے کہ تم دوسروں سے مختلف ہو۔ ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس پیشے میں کیوں کر آئے؟

قسمت بیگ: (آہ بھر کر) حضور! آپ کا حکم سر آنکھوں پر... ویسے ایک عرصہ ہوا میں نے یہ بھلا دیا کہ میں کون ہوں اور نہیں چاہتا کہ راکھ میں دبی چنگاریوں کو کوئی کریدے۔

مہاراجا : یہ کہہ کر تو تم نے ہمارے تجسّس کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہے قسمت بیگ! ہم تمھاری روداد ضرور سننا چاہیں گے۔

قسمت بیگ: (پھر آہ بھر کر) آپ کے حکم سے منہ موڑنا گستاخی کے مترادف ہوگا۔ آپ کا اصرار ہے تو سنیے ... میں ایک آدمی ہوں۔ نسل کے لحاظ سے تیموری مغل ہوں۔ پیشے کے لحاظ سے یہاں تاج محل ہوٹل کا خانساماں ہوں۔ عمر کے لحاظ سے بڑھا ہوں۔ طبیعت کے اعتبار سے کبھی بچہ ہوتا ہوں، کبھی جوان ...شب و روز میری کوشش رہتی ہے کہ ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزاروں۔ جھوٹ نہیں بولتا، چوری نہیں کرتا، ظلم اور بے رحمی سے بچتا ہوں۔ خدمتِ خلق کو اپنا مقصدِ زندگی مانتا ہوں۔ اگر چہ فقیر ہوں لیکن دل کے تخت پر شہنشاہ ہوں۔

مہاراجا : ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ تم میں کوئی خاص بات ہے۔ تم معمولی حیثیت کے آدمی نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ جان کر مزید حیرت ہوئی کہ تم تیموری خاندان سے ہو۔

قسمت بیگ: (جوش سے) تیموری خاندان تو کب کا مٹ چکا ہے۔ یہ سوال فضول ہے کہ میں کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں اس سوال کی کشمکش میں پڑنا اپنے دل کے لیے آری سمجھتا ہوں جو میرے دل کو چیر دیتی ہے۔

مہاراجا : قسمت بیگ! ہمیں تمھارے بے پناہ غم کا پورا احساس ہے۔ اگر واقعی اس سوال سے تمھیں دُکھ ہوا ہے تو جانے دو۔ ہم اپنا سوال واپس لیتے ہیں۔

> آدم کی اولاد کو آدمی کہتے ہیں۔ ہر شخص آدمی کہلاتا ہے جس میں فطری خامیاں اور خوبیاں ہوتی ہیں۔ جب اُس میں اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور مہذب ہوجاتا ہے تو وہ انسان کہلاتا ہے۔ سبق میں قسمت بیگ کہتا ہے، ”میں ایک آدمی ہوں۔“ وہ آگے کہتا ہے، ”شب و روز میری کوشش رہتی ہے کہ ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزاروں۔“
>
> جب آدمی ایک اچھا انسان بن جاتا ہے تو اُس کا مرتبہ فرشتوں سے بلند ہوجاتا ہے۔ اس بات کو مولانا حاؔلی نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے۔
>
> فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
> مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

قسمت بیگ: نہیں حضور! مجھے معاف فرمائیں۔ میں ذرا جوش میں آ گیا تھا۔ انسان کو اپنی موجودہ حیثیت دیکھنا چاہیے۔ آج چوں کہ میں ایک خانساماں ہوں، اس لیے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو 'پدرم سلطان بود' کہہ کر اپنے ماضی پر فخر کریں یا افسوس کریں۔ اور میں ان لوگوں میں سے بھی نہیں جو مستقبل کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ حضور! میں ماضی کا مالک ہوں، حال کا مالک ہوں اور مستقبل کا بھی مالک ہوں۔

مہاراجا : قسمت بیگ! ہم تمھاری داستان تفصیل سے سننا چاہتے ہیں۔

قسمت بیگ: حضور! میں بہادر شاہ ظفر کا بیٹا ہوں۔

مہاراجا : کیا کہا... بہادر شاہ ظفر کے بیٹے؟ یعنی کہ آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے بیٹے؟

قسمت بیگ: جی ہاں حضور! میں مغلیہ سلطنت کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر کی اولاد ہوں۔

مہاراجا : یعنی کہ تم مغل شاہزادے ہو؟

قسمت بیگ: شاہزادہ نہیں، آہ زادہ ہوں۔ دنیا کی مصیبتوں کی سب زدیں میں نے اُٹھائی ہیں۔ میرا اصلی نام تیمور شاہ ہے۔ میری ماں کا نام بیگم زینت محل تھا مگر بادشاہ کسی وجہ سے میری ماں سے خفا تھے اور میں اپنی ماں کے ساتھ محل خاص سے دور ایک حویلی میں رہتا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے نوکر چاکر اور گھوڑا بگھی کا پورا انتظام تھا۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ جب ۱۸۵۷ء کا انقلاب ہوا تو میری عمر دس گیارہ سال رہی ہوگی۔ بادشاہ نے گھبراہٹ میں خود محل کی بیگمات کا انتظام بہت ادھورا کیا تھا۔ اس وقت انھیں شاید میرا اور میری ماں کا خیال تک نہ آیا ہوگا۔ مارے دہشت کے سارے نوکر چاکر بھاگ چکے تھے۔ صرف فرید خان رہ گیا تھا، جس نے مجھے گودی میں کھلایا تھا۔ وہ محل کی طرف گیا تھا کہ کچھ بادشاہ کی خیر خبر بھی معلوم کرے۔ توپوں کی گرج اور بندوقوں کی دھائیں دھائیں سنائی دے رہی تھی۔ میری ماں مجھے کلیجے سے لگائے بیٹھی کانپ رہی تھی کہ اتنے میں فرید خان واپس آ گیا۔ (موسیقی)

...فیڈ آؤٹ...

(توپوں کی گرج اور گولیوں کی ہلکی ہلکی آواز)

... فیڈ اِن ...

فرید خان : (گھبرائے لہجے میں) بیگم حضور! محل خاص بالکل خالی پڑا ہے۔ پتا چلا ہے کہ عالی جاہ اور ساری بیگمات ہمایوں کے مقبرے میں پناہ گزیں ہیں۔ شاہزادہ مرزا مغل اور شاہزادہ مرزا خضر سلطان مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ کشمیری دروازے پر انگریزوں سے لڑ رہے ہیں مگر کوئی دم میں ان کے قدم بھی اُکھڑنے کو ہیں۔

بیگم زینت محل: یا اللہ! اب ہم کیا کریں؟ اس معصوم کو لے کر کہاں جائیں؟

تیمور شاہ : امّی حضور! آپ ہمارے لیے فکرمند نہ ہوں۔ بس ہمیں ایک چھوٹی سی تلوار دے دیجیے۔ استاذی ارشد بیگ نے ہمیں بھی تلوار کے بہت سے گر بتائے ہیں۔

بیگم زینت محل: میں صدقے جاؤں ...ابھی تو تم بہت چھوٹے ہو۔ انگریز بہت ظالم ہے۔ فرید خان! ہم تیمور شاہ کو لے کر ہمایوں کے مقبرے کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری طرف سے تمھیں اجازت ہے، جہاں جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو۔ ہمارے لیے تم کیوں بلا وجہ آفت میں پڑو۔

فریدخان : بیگم حضور! بندہ اُن نمک حراموں میں سے نہیں ہے جو محض طلوع ہوتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ آپ جہاں جائیں گی بندہ سایے کی طرح آپ کے ساتھ آئے گا۔ آپ کو چھوٹے سرکار کی قسم! مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجیے۔ اگر آپ کی حفاظت کے لیے بندے کو جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تو دریغ نہیں کرے گا۔

بیگم زینت محل: فریدخان! ہمیں تمھاری وفاداری پر فخر ہے۔ ہمارا خیال ہے، عالی جاہ بڑی افراتفری میں محل سے رخصت ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی مقبرۂ ہمایوں کی طرف چلنا چاہیے۔

فریدخان : بیگم حضور! اس وقت مقبرۂ ہمایوں کا رُخ کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ سارے راستے انگریزوں نے گھیر لیے ہیں۔ میری مانیے تو آپ قدم شریف کی طرف چلیے۔ میں دیکھتا آیا ہوں، وہاں انگریزوں کا پہرہ نہیں ہے۔

بیگم زینت محل: مگر فریدخان! ہم عالی جاہ کو انگریزوں کے نرغے میں چھوڑ کر کیوں کر جاسکتے ہیں؟

فریدخان : مشیتِ ایزدی بیگم حضور! زندگی باقی رہی تو عالی جاہ کے دیدار بھی ہوجائیں گے۔

بیگم زینت محل: (آہ بھر کر) ٹھیک ہے فریدخان! ہم موت سے نہیں ڈرتے ...بس مرنے سے پہلے صرف ایک بار عالی جاہ کے قدموں میں سر رکھ کر ان سے معافی مانگنا چاہتے ہیں...خیر...چلنے کی تیاری کرو...(گولیوں کی آواز)

فریدخان : بیگم حضور! جلدی کیجیے، انگریز بڑھا چلا آرہا ہے۔

بیگم زینت محل: چلو بیٹا تیمور۔ (گولیاں چلنے کی آوازیں، لوگوں کی چیخ و پکار)

...فیڈ آؤٹ...

... فیڈ اِن ...

(دور سے اب بھی رہ رہ کر گولیاں چلنے کی آوازیں آرہی ہیں)

فریدخان : بیگم حضور! یہ جگہ مناسب ہے۔ آپ اور چھوٹے سرکار اس حجرے میں آرام کیجیے۔ میں دالان میں نگرانی کروں گا۔

تیمور : امّی حضور! ہم عالی جاہ کے پاس کب جائیں گے؟

بیگم زینت محل: راستے میں دشمنوں کا پہرہ ہے بیٹے۔ ذرا یہ گولیوں کی دھائیں دھائیں تھم جائے تو وہیں چلے چلتے ہیں۔ اب تم سو جاؤ۔

...فیڈ آؤٹ...

... فیڈ اِن ...

فریدخان : (گھبرائے ہوئے لہجے میں) بیگم حضور!...بیگم حضور!

بیگم زینت محل: کیا ہے فریدخان؟

فریدخان : بیگم حضور! غضب ہوگیا۔ سپاہیوں نے قدم شریف کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ وہ آپ کی گرفتاری کے درپے ہیں۔ سپاہیوں کا افسر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

بیگم زینت محل: ہم کسی انگریز افسر سے کیا بات کریں۔ تم انھیں صورتِ حال سے آگاہ کردو۔

فریدخان : افسر انگریز نہیں، ہندوستانی ہے۔ کہتا ہے وہ دروازے کے باہر سے دو چار سوالات پوچھنا چاہتا ہے۔

بیگم زینت محل: (سرد آہ بھر کر) ٹھیک ہے۔ آنے دو۔

(موسیقی)

افسر : آداب بجالاتا ہوں بیگم حضور! اس زحمت کے لیے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔

بیگم زینت محل: معافی ...ایک شکست خوردہ بادشاہ کی بیگم جو مجبوری اور بے کسی کی منہ بولتی تصویر ہو، اسے کسی کو معاف کرنے کا بھی اختیار کہاں ہوتا ہے؟

افسر : ایسا نہ کہیے بیگم حضور! انگریز بھلے ہی آپ سے جو چاہے سلوک کریں مگر ایک ہندوستانی ہونے کے ناتے آپ کا احترام کرنا میرا فرض ہے۔

بیگم زینت محل: فرض؟ ہمارے احترام سے پہلے ایک ہندوستانی ہونے کے ناتے تم پر کچھ اور فرائض بھی عائد ہوتے ہیں، سپاہی زادے!

افسر : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا بیگم حضور!

بیگم زینت محل: کیا اپنے بادشاہ کا احترام کرنا اور جنگ میں اپنے ملک، اپنے بادشاہ کی خاطر سینہ سپر ہونا ایک سپاہی زادے کا فرض نہیں ہے؟

افسر : بیگم حضور! ہم انگریزوں کے تنخواہ دار ملازم ہیں۔ جنگ میں ان کے حکم کی تعمیل کرنا ہی ہمارا پہلا فرض ہے۔

بیگم زینت محل: تم کیا سمجھتے ہو؟ انگریز نے چند سکوں کے عوض تم سب کے ضمیر بھی خرید لیے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ تم انگریز کے سپاہی ہونے سے پہلے ایک ہندوستانی ہو۔

افسر : بے شک ہم ہیں۔

بیگم زینت محل: نہیں ...تم لوگ ہندوستانی نہیں ہو سکتے سپاہی زادے۔ تم اگر ہندوستانی ہوتے تو سنگینوں سے اپنے بھائیوں کے سینے چھلنی نہ کرتے، بہنوں کا سہاگ نہ اُجاڑتے، ماؤں کی گودیں نہ اُجاڑتے۔ تم ہندوستانی نہیں ہو۔ تم صرف انگریزوں کے نمک خوار ہو۔ اُن کے غلام ہو بس۔

افسر : بیگم حضور! یہ بحث کا وقت نہیں ہے، پھر بھی ایک بات عرض کردوں۔ ہم اپنے وطن سے، اپنے وطن کے بھائیوں سے وفاداری نبھانے کو تیار تھے مگر ہم کس کے ساتھ وفاداری نبھاتے؟ کس کے پرچم تلے ہم یکجا ہوتے؟ کون ہمارا رہبر ہوتا؟ کون ہمیں انقلاب کی راہ دِکھاتا؟ کوئی نہیں۔ کوئی قیادت پائیدار نہیں تھی۔ صبح جو پرچم لہراتا شام کو سرنگوں ہو جاتا تھا۔ کس کا ساتھ دیتے؟

بیگم زینت محل: سب کہنے کی باتیں ہیں۔ جن کو لڑنا تھا، انھوں نے لڑ کر اپنی جانِ عزیز وطن پر قربان کردی۔

افسر : ہم اندھی لڑائی لڑنا نہیں چاہتے تھے۔

بیگم زینت محل: سچ ہے۔ تم لوگ اندھی لڑائی لڑنا نہیں چاہتے تھے، جن کا جذبہ سرد اور ضمیر بے حس ہو جاتا ہے، وہ کسی بھی قسم کی لڑائی نہیں لڑ سکتے ...خیر ...بتاؤ، ہمیں کہاں چلنا ہے؟

افسر : وِلسن صاحب کا حکم ہے کہ شاہی خاندان کے ہر فرد کو عزّت و احترام کے ساتھ کیمپ میں پہنچا دیا جائے۔

بیگم زینت محل: کیمپ میں؟

افسر : جی ہاں ...جامع مسجد کے پاس ایک کیمپ لگا دیا گیا ہے۔ شاہی خاندان کے بہت سے افراد کو انھی خیموں میں رکھا گیا ہے۔

بیگم زینت محل: اگر بتا سکتے ہو تو بتاؤ کہ عالی جاہ کو کہاں رکھا گیا ہے؟

افسر : اس کا علم سوائے وِلسن صاحب کے کسی اور کو نہیں۔

بیگم زینت محل: خیر...چلو۔فرید خان! چلنے کی تیاری کرو...تیمور بیٹے! چلو...نہیں اب ہماری اُنگلی مت پکڑو۔آئندہ زندگی کا سفر تمھیں اکیلے ہی طے کرنا ہے۔خبردار! گھبرانا مت...تیموری شاہزادے ہر حال میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

(موسیقی)... فیڈ آؤٹ ...

... فیڈ اِن ...

بیگم زینت محل: فرید خان! اس تنگ قبر نما خیمے میں ہمیں کب تک رہنا ہوگا؟

فرید خان : بس کل تک ...کل شام کو ہمیں چاندنی محل بھجوا دیا جائے گا۔ بہت سے شاہزادوں اور بیگمات کے ساتھ ہمیں بھی چاندنی محل میں ایک چھوٹا سا دو کمروں کا مکان دیا گیا ہے...اور...

بیگم زینت محل: اور کیا فرید خان؟

فرید خان : (روتے ہوئے) اور...دس روپے ماہوار گزارے کے مقرر کر دیے گئے ہیں۔

بیگم زینت محل: دس روپے؟

فرید خان : جی ہاں...صرف دس روپے۔

بیگم زینت محل: (آہ بھر کر) مت روؤ فرید خان۔انسان کو ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔اللہ جانتا ہے، ہمیں اپنی رتّی بھر فکر نہیں۔ اگر فکر ہے تو بس تیمور شاہ کی ہے کہ ہمارے بعد شہزادے کا کیا ہوگا؟ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔چاندنی محل چلنے کی تیاری کرو۔ جب کشتی کے بادبان ٹوٹ جائیں تو اسے ہواؤں کے رُخ پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔...(موسیقی)

... فیڈ آؤٹ ...

... فیڈ اِن ...

مہاراجا : (ٹھنڈی سانس کھینچ کر) تمھاری داستان سن کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے قسمت بیگ ...اچھا یہ بتاؤ، تمھارا اصلی نام تو تیمور شاہ تھا پھر قسمت بیگ نام کس نے رکھا؟

قسمت بیگ: میری قسمت نے ...اس کے علاوہ کیا عرض کروں۔ میں جب دہلی سے بمبئی آیا، ہر شخص کو میں نے اپنا نام قسمت بیگ بتایا۔

مہاراجا : تم نے اس خانساماں کے کام کے علاوہ کچھ اور کام نہیں سیکھا؟ تمھاری باتوں سے تو لگتا ہے تم کافی پڑھے لکھے ہو۔

قسمت بیگ: نہیں حضور! میں کبھی مکتب نہیں جا سکا۔ دراصل دہلی میں چاندنی محل کے قریب ایک خانقاہ تھی، میں وہاں اکثر جایا کرتا تھا۔خانقاہ میں ایک درویش رہا کرتے تھے،ان کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ان کا مجھ پر اثر ہوتا تھا۔ یہ جو منہ کھولنے کی جرأت کر لیتا ہوں، انھیں درویش کی صحبت کا فیض ہے۔

مہاراجا : چلو، ہم تمھیں اپنی ریاست میں لے چلتے ہیں، جو تنخواہ یہاں ملتی ہے، اس سے دوگنی تنخواہ دیں گے اور تمھاری باتیں سنا کریں گے۔کوئی کام نہیں لیں گے۔

قسمت بیگ: حضور! یہ عین بندہ نوازی ہے لیکن جس نے اس دنیا کے انقلاب کو سمجھ لیا، وہ کہتا ہے کہ ایک دروازے کو پکڑ اور مضبوط

پکڑ، در بدر بھٹکتا نہ پھرے۔ اس ہوٹل میں میری عزت بھی ہے اور مزاج داری بھی ہے۔ صاحب لوگ بھی میری بدمزاجیوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔ ضرورت کے موافق ہر چیز موجود ہے۔ آپ ہی فرمایئے میں آپ کے ساتھ آ کر کیا کروں؟ اور اس عمر میں ایک جگہ کو چھوڑ کر جہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، آپ کے یہاں کیوں آؤں؟

مہاراجا : خوب...قسمت بیگ، ہم تمھارے جواب سے بے حد خوش ہوئے۔ یہ لو، ہماری طرف سے یہ انعام رکھو۔

قسمت بیگ: یہ کیا ہے حضور؟

> تاج محل ہوٹل ایک پانچ ستارہ ہوٹل ہے جو عروس البلاد ممبئی میں گیٹ وے آف انڈیا کے سامنے واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزوں کے زمانے میں مشہور صنعت کار سر جمشید جی ٹاٹا کو اُس وقت شہر کے ایک مشہور ہوٹل واٹ سنس میں داخل ہونے سے روک دیا گیا جس کا مالک کوئی انگریز تھا۔ اُنھوں نے اس بے عزّتی کا بدلہ لینے کے لیے تاج محل ہوٹل تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۶؍ دسمبر ۱۹۳۰ء کو ہوٹل کو تمام ہندوستانیوں کے لیے کھول دیا گیا۔ سیتارام کھانڈے راؤ ویدیا اور ڈی۔ این۔ مرزا اس کے بنیادی معمار تھے۔ اس تاریخی ہوٹل میں پانچ سو ساٹھ کمرے اور چوالیس خصوصی کمرے ہیں۔

مہاراجا : یہ ایک ہزار روپے کا چیک ہے۔ اس کو اپنے خرچ میں لانا۔ آئندہ بھی ہر سال ہوٹل کے منیجر کی معرفت ہزار روپے تم کو مل جایا کریں گے۔

قسمت بیگ: (بھرّائی آواز میں) اس نوازش کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں حضور... (آہستہ آہستہ) شکر گزار ہوں... بہت شکر گزار ہوں۔

(دھیرے دھیرے گیت کی آواز اُبھرتی ہے)

گیت :

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں ، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے ، میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

... فیڈ آؤٹ ...

6QFB7Q

معانی و اشارات

لفظ	معنی
خانساماں	باورچی
ناگوارِ خاطر	بُرا لگنا
پدرم سلطان بود	'میرے والد بادشاہ تھے' اپنی بے جا بڑائی کے وقت بولا جانے والا فقرہ
قدم شریف	دہلی میں ایک زیارت گاہ
مشیّتِ ایزدی	اللہ کی مرضی
سینہ سپر ہونا	سینے کو ڈھال بنانا مراد ڈٹے رہنا
بے ثباتی	عارضی پن
تجسّس کی آگ کو بھڑکانا	کچھ معلوم کرنے کے لیے کسی کو اُکسانا
زدیں	زد کی جمع، تکلیفیں
کوئی دم میں	فوراً، کسی بھی وقت
قدم اُکھڑنا	ہار کر بھاگ جانا
اُستاذی	میرے استاد
دریغ نہ کرنا	پروا نہ کرنا، نہ ہچکچانا
سرنگوں ہو جانا	سر جھکا دینا
کی معرفت	کے توسط سے، کے ذریعے

مشق

* درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

۱۔ "حضور! آپ کا حکم سر آنکھوں پر ... ویسے ایک عرصہ ہوا میں نے یہ بھلا دیا کہ میں کون ہوں اور نہیں چاہتا کہ راکھ میں دبی چنگاریوں کو کوئی کریدے۔"

۲۔ "اگرچہ فقیر ہوں لیکن دل کے تخت پر شہنشاہ ہوں۔"

۳۔ "حضور! میں ماضی کا مالک ہوں، حال کا مالک ہوں اور مستقبل کا بھی مالک ہوں۔"

۴۔ "جب کشتی کے بادبان ٹوٹ جائیں تو اسے ہواؤں کے رُخ پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

* درج ذیل جملوں میں استعمال کیے گئے محاوروں کی جگہ اُن کے معانی استعمال کر کے جملے دوبارہ لکھیے:

۱۔ "تم نے تجسّس کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔"

۲۔ "آپ کے حکم سے منہ موڑنا گستاخی کے مترادف ہوگا۔"

۳۔ "تیموری خاندان تو کب کا مٹ چکا ہے۔"

۴۔ "میں اُن لوگوں میں سے بھی نہیں ہوں جو مستقبل کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔"

۵۔ "مگر کوئی دم میں اُن کے قدم بھی اُکھڑنے کو ہیں۔"

* مغل شہزادوں سے متعلق کوئی اہم واقعہ اپنے تاریخ کے استاد سے معلوم کر کے لکھیے اور اپنی جماعت میں سنائیے۔

* ڈرامے سے کم از کم پانچ ایسے مکالمات چن کر تحریر کیجیے جن سے احترام اور انکسار کا اظہار ہوتا ہے۔

مثلاً: ☆ آداب عرض ہے، مہاراج!

☆ یہ تو آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔

* ڈرامے سے ایسے مکالمات چن کر لکھیے جن سے شہزادہ تیمور شاہ کی حوصلہ مندی اور بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

* جان پہچان کی مدد سے رواں خاکہ (فلو چارٹ) مکمل کیجیے۔

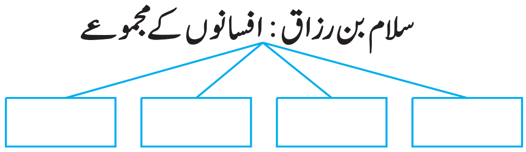

* سبق کی روشنی میں خط کشیدہ لفظ بدل کر درست جملہ لکھیے۔

۱۔ قسمت بیگ شاہی ملازم تھا۔

۲۔ تیمور شاہ نے تلوار بازی امجد بیگ سے سیکھی۔

۳۔ فرید خان نے بیگم صاحبہ کو کہا کہ علمِ شریف کی طرف چلے جائیں۔

۴۔ شاہی خاندان کو انگریزوں نے رانی محل میں ٹھہرایا تھا۔

۵۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو دو ہزار روپے کا چیک پیش کیا۔

* کرداروں کی درست جوڑیاں لگائیے۔

الف	ب
قسمت بیگ	شاہی ملازم
فرید خان	خانساماں شہزادہ
افسر	بہادر شاہ ظفر کی بیوی
مہاراجا	انگریز فوج کا ہندوستانی سپاہی
بیگم زینت محل	محمود آباد کے راجا

* اسباب بتائیے۔

۱۔ مہاراجا نے کہا، "تمھاری باتوں سے تو لگتا ہے تم کافی پڑھے لکھے ہو۔"

۲۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو چیک دیا۔

* زمانے کے اتار چڑھاؤ اور دنیا کی بے ثباتی سے متعلق آپ کیا سوچتے ہیں لکھیے۔

* زمانے کے اعتبار سے واقعات کو ترتیب دیجیے۔

۱۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو چیک دیا۔

۲۔ بیگم زینت محل اور قسمت بیگ الگ حویلی میں رہتے تھے۔

۳۔ مغل شہزادوں نے انگریزوں سے کشمیری دروازے پر مقابلہ کیا۔

۴۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو ملاقات کے لیے بلایا۔

۵۔ فوجی نے بیگم زینت محل سے بات چیت کی۔

* آپ نے کوئی ڈراما دیکھا ہو تو اس کے بارے میں دس جملے لکھیے۔
* یومِ آزادی کے موقع پر اپنے اسکول میں اس ڈرامے کو پیش کیجیے۔

عملی قواعد

اصلی/معاون/ناقص فعل

۱۔ تم کھیتی کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟

۲۔ ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔

۳۔ جاڑا کسی بھوت کی مانند اس کی چھاتی کو دبائے ہوئے تھا۔

۴۔ اسے اپنی گود میں سلا لیا۔

۵۔ تم نے ہمارے تجسّس کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہے۔

ان جملوں کے خط کشیدہ الفاظ پر توجہ دیجیے: چھوڑ دیتے/سمجھ گئے تھے/ دبائے ہوئے تھا/سلا لیا/ بھڑکا دیا ہے

یہ فقرے مختلف افعال سے بنے ہیں۔ انھیں ذیل کے مطابق سمجھا جاسکتا ہے۔

اصلی فعل	معاون فعل	ناقص فعل
بھڑکا	دیا	ہے
سمجھ	گئے	تھے
چھوڑ	دیتے	-
سلا	لیا	-

ان افعال کی صحیح صورت یہ ہے:

بھڑکانا	دینا	ہونا
سمجھنا	جانا	ہونا
چھوڑنا	دینا	
سلانا	لینا	

جملے میں ایک فعل اگر دوسرے فعل سے غیر متعلق ہو جیسے کہ پہلی مثال میں 'بھڑکا دیا ہے' کے فقرے میں 'بھڑکانا' تو اس فعل کو **اصلی فعل** کہا جاتا ہے۔

اصلی فعل میں مفہوم کے اضافے کے لیے کبھی دوسرا فعل بھی اس کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جیسے 'بھڑکا دیا ہے' میں 'دیا'۔ اسے **معاون فعل** کہتے ہیں۔

اسی طرح کبھی اصلی اور معاون فعل کے ساتھ ہی مزید فعل کی کوئی صورت استعمال کرتے ہیں جیسے 'بھڑکا دیا ہے' میں لفظ 'ہے'۔ اس فعل کو **ناقص فعل** کہا جاتا ہے۔ (کبھی ضرورت کے وقت 'ہے' کی جگہ 'تھا/ تھے/ ہوگا/ ہوگی' وغیرہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں)

* ذیل کے جملوں میں اصلی / معاون / ناقص افعال کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ میں ذرا جوش میں آ گیا تھا۔

۲۔ ہم تمھاری داستان سننا چاہتے ہیں۔

۳۔ اس معصوم کو کہاں لے جائیں؟

۴۔ بھائیوں کے سینے چھلنی نہ کرتے۔

برسبیلِ تذکرہ...

آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شکست کے بعد بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا تھا جہاں ۱۸۶۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں اُن کی تدفین عمل میں آئی۔

بہادر شاہ ظفرؔ ایک اچھے شاعر تھے اور مرزا غالبؔ کے شاگرد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی موت سے پہلے ایک غزل کہی تھی جس کا مقطع یوں ہے ؎

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

شاعری میں ایسی بات کو بیان کرنا جو مستقبل میں پیش آ جائے اُسے 'اِلقا' کہتے ہیں جس کے لغوی معنی ہیں غیب سے دل میں کوئی بات آنا۔

٦ بغداد کا سفر

سجاد حیدر یلدرم

پہلی بات : سفرنامہ ایک بیانیہ نثری صنف ہے۔اس کے لیے کوئی خاص اُصول یا تکنیک متعین نہیں ہے مگر اس کا طرزِ بیان ایسا ہونا چاہیے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی برقرار رہے۔بعض سفرنامے منظوم بھی لکھے گئے ہیں۔سفرناموں میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔سیاح اپنے سفر کے دوران جن مقامات کی سیر کرتا ہے، وہاں اسے جو تجربات اور مشاہدات حاصل ہوتے ہیں، ان کی تفصیل وہ سفرنامے میں پیش کر دیتا ہے۔اس تفصیل میں جغرافیائی محل وقوع، تاریخی مقامات، تہذیب وتمدن، رسم و رواج، سماجی حالات، موسم اور مناظر، سیاسی صورتِ حال، ادبی و ثقافتی سرگرمیاں وغیرہ جیسے بہت سے موضوعات شامل ہوتے ہیں۔ ہر سفرنامے کی اپنی مخصوص فضا ہوتی ہے۔سفرنامہ لکھنے والا اکثر و بیشتر اپنے سفرنامے کو دلچسپ بنانے کے لیے رنگین بیانی، افسانہ طرازی اور مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتا ہے۔

جان پہچان : سجاد حیدر یلدرم ۱۸۸۰ء میں نہٹور، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد علی سجاد حیدر تھا۔علی گڑھ سے بی۔اے کرنے کے بعد وہ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پھر ۱۹۳۰ء میں جزائر انڈمان کے ریونیو کمشنر مقرر ہوئے۔'خیالستان' اور 'جمالستان' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ان کے مضامین اور افسانوں پر رومانیت کے اثرات حاوی ہیں۔ اُنھوں نے ترکی ناولوں اور ڈراموں کے ترجمے بھی کیے۔ وہ ہر شے میں حسن کو تلاش کرتے ہیں۔ انھیں ادبِ لطیف کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال ۱۲/اپریل ۱۹۴۳ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

اُردو میں سفرنامے کا آغاز اُنیسویں صدی کے نصف میں ہوا۔ یوسف خاں کمبل پوش کا سفرنامہ 'عجائباتِ فرنگ' اُردو کا پہلا سفرنامہ ہے جو ۱۸۴۷ء میں لکھا گیا تھا۔اُنیسویں صدی کے اہم سفرناموں میں سر سیّد احمد خاں کا 'مسافرانِ لندن'، محمد حسین آزاد کا 'سیرِ ایران'، شبلی نعمانی کا 'سفرنامۂ روم و مصر و شام' قابلِ ذکر ہیں۔بیسویں صدی میں جب آمد و رفت کے وسائل میں اضافہ ہوا اور ہوائی سفر آسان ہو گیا تو سفرنامے بھی خوب لکھے جانے لگے۔اُردو میں حج کے سفرنامے بھی خاصی تعداد میں لکھے گئے ہیں۔بعض سفرنامے مزاحیہ انداز میں بھی لکھے گئے ہیں۔

میں یہ نہ بتاؤں گا کہ میں کب اور کیوں اور کہاں سے روانہ ہوا کیونکہ میرے دوست ان تمام باتوں سے واقف ہیں اور جو مجھے نہیں جانتے انھیں بتانے کی ضرورت نہیں۔صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ بغداد شریف جا رہا ہوں۔

۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو اپنے پیارے دوستوں سے کچھ ارمان بھرے اور زیادہ تر حرمان بھرے دل کے ساتھ جدا ہوا اور آخر کار ۳/ اپریل کو جہاز 'کولا' پر کراچی سے روانہ ہو گیا۔موسم نہایت خوش گوار تھا اور سمندر کی جبیں پر ذرا بھی بل نہ تھا، اور اگرچہ یہ میرا پہلا سمندر کا سفر تھا لیکن میں نہیں جانتا کہ سرگرانی اور طبیعت کا متلانا کسے کہتے ہیں۔اور اگر سفر بحر ایسا ہی ہمیشہ ہوتا ہے تو میں عمر بھر سفر کرنے کو تیار ہوں۔لیکن لوگ کہتے ہیں مئی، جون میں خلیج فارس کا مزاج برہم ہوتا ہے اور اس وقت وہ کسی کی نہیں سنتا۔

۵/اپریل کو دو بجے سہ پہر کے قریب مسقط پہنچے۔مسقط کے بعد بوشہر تک سمندر ذرا خراب تھا مگر میری طبیعت پھر بھی خراب نہیں ہوئی۔ ۸/اپریل کو آٹھ بجے صبح بوشہر پہنچے۔ یہاں اُترنے کی اجازت نہیں، دوربین ہی سے شہر کو دیکھا اور کچھ اچھا نہ پایا۔(سنا ہے بوشہر کے انگور کھٹے ہوتے ہیں)

۹/اپریل سات بجے صبح: سبحان اللہ، سبحان اللہ! ہم کس خطّے میں جا رہے ہیں، رات ہی بھر میں یہ کیا طلسم ہو گیا! جہاز کی دونوں جانب کیسا دلکش منظر ہے۔ دو طرفہ خرمے کے درختوں کی مسلسل قطاریں ہیں اور ان کے پیچھے اور نیچے گلاب اور نارنگی اور انار کے درخت ہیں، جو پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور جہاں تک نگاہ دوربین کے ذریعے سے کام کرتی ہے، یہ مارے خوشی کے پاگل کر دینے والا منظر

سامنے ہے۔ اور میں حقیقت میں تھوڑی دیر کے لیے پاگل ہوگیا تھا۔ جہاز پر دوڑا دوڑا پھرتا ہوں، کبھی اس طرف کے منظر کو دیکھتا ہوں کبھی اُس طرف کے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا سفینہ سمندر چھوڑ کے دجلہ اور فرات کے مجموعۂ پانی کے سینے پر چل رہا ہے اور ایک طرف ساحل ترکی ہے اور دوسری طرف ایرانی۔

یہاں اس دریا کے کنارے سوائے گھنے، اونچے اور سرسبز درختوں اور پھولوں کے آپ اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اوپر آسمان ہے، نیچے پانی ہے اور دائیں بائیں نظر کو یہ درخت روک رہے ہیں اور یہ سلسلہ میں سنتا ہوں کہ یہاں سے بغداد تک یعنی چار سو میل تک قائم ہے۔ شاید لوگ خرمے کے درختوں کی اس قدر تعریف سن کر زیرِ لب مسکرائیں گے؛ مگر یہ خیال رہے کہ یہ سوڈان کے خرمے کے درخت نہیں ہیں کہ چار پانچ ایک جگہ کھڑے ہیں اور ارد گرد سیکڑوں میل تک ریت کا چٹیل میدان ہے۔ یہ عراقین کے نخلستان اور خُرمستان ہیں جن کے سایے میں ہر قسم کے پھول اور پھل لگے ہوئے ہیں اور دماغ کو معطر کر رہے ہیں۔

دو بجے محمرّہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا مقام ہے، یہاں ایرانی سرحد ختم ہوتی ہے اور یہاں سے دو طرفہ ساحل ترکی ہے۔

محمرّہ سے بصرہ کوئی تیس پینتیس میل کے فاصلے پر ہے اور ذرا آگے بڑھتے ہی بصرہ کے مضافات شروع ہو جاتے ہیں۔ دریا کے کنارے درختوں کے جھنڈ وہی ہیں، پھول وہی ہیں، مگر اب ان میں امرائے بصرہ کے مکانات شروع ہو جاتے ہیں اور ان قدرتی بے جان پھولوں میں انسانی زندہ پھول اور غنچے نظر آنے لگتے ہیں یعنی حسین اور نہایت حسین یہودی، ارمینین اور خال خال ترک۔ عورتیں، لڑکے اور لڑکیاں دوڑ دوڑ کے لبِ دریا ہمارے جہاز کو دیکھنے آتی ہیں اور ہم دوڑ دوڑ کے ڈیک کے کنارے ان کو دیکھنے جاتے ہیں۔ کاش یہ سلسلہ لامتناہی ہوتا، مگر وہ تو ایک دو گھنٹے ہی میں جہاز بصرہ پہنچ گیا۔

یہاں قوموں میں بہت مخالطہ ہوتا ہے۔ مسلمان، عیسائی اور یہودی عبا اور قبا بھی پہنتے ہیں اور بہت سے کوٹ پتلون پہنتے ہیں، ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں اور تو اور ناموں سے بھی پتا نہیں چلتا کہ کون مسلم ہے اور کون غیر مسلم۔ میرے ساتھی ارمنی جو تھے، ان کے نام تھے نصر اللہ مسیح اور شکر اللہ صبّاغ۔

یہاں ایک اور بات عجیب دیکھی۔ ہمارے یہاں تو انگریز عموماً اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہندوستانی انگریزی کپڑے پہنیں، اور خاص کر یہ کہ انگریزی ٹوپی اوڑھیں۔ یہاں ترک اس بات کے خواہش مند ہیں کہ سب ان کی ٹوپی اوڑھیں۔ چنانچہ یہ دونوں ارمنی ساتھی انگریزی ٹوپی پہنتے تھے۔ بصرہ پہنچتے ہی ترکی ٹوپی پہننے لگے۔ میں نے پوچھا تو کہا، ہم ترکی رعایا ہیں، لہٰذا یہاں ہمیں ترکی ٹوپی پہننا ضروری ہے۔ یہودی عموماً عبا و قبا پہنتے ہیں اور عرب تو بالکل یہی۔ ترک سب یورپین لباس پہنتے ہیں اور اپنے تئیں یورپین سمجھتے ہیں یعنی عربوں، یہودیوں اور ارمنیوں سے بالاتر۔

سہ پہر کو جہاز بصرہ سے روانہ ہوگیا۔ چوتھے روز ہم بغداد پہنچے۔

بغداد کے مکان سب کچے اور شاندار ہیں۔ دجلہ کے دونوں کنارے قصر بہت خوبصورت اور نئی وضع کے ہیں۔ سڑک سے مکانوں میں داخل ہوئیے تو تعجب ہوتا ہے کہ مکانوں میں کیسی صفائی رکھی جاتی ہے۔ یہاں عام طور پر لوگ ضروریاتِ زندگی پر زیادہ خرچ کرتے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس یعنی وہ عمارت جس میں تمام کچہریاں اور دفاتر ہیں اور جسے یہاں سرائے حکومت کہتے ہیں، بڑی شاندار اور دفاتر ہندوستان کے دفتروں کے بلکہ ان سے بہتر سجے ہوئے ہیں۔

مدینۃ العلم والفضل بغداد اپنی تمام فضیلت کھو بیٹھا ہے۔ مدرسہ نظامیہ کے شہر میں آج ایرانی یا نئی تعلیم کا کوئی ایسا مدرسہ نہیں ہے

جسے کالج کے لقب سے یاد کیا جائے۔ ہاں دس بارہ اسکول ہیں جن میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ کے یا امریکن مشن، پروٹسٹنٹ مشن، فرنچ کیتھولک مشن کے ہیں۔ یہ اسکول ہندوستان کے مشنری اسکولوں کی طرح بہت منظّم اور عمدہ حالت میں ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے کوئی اسکول نہیں۔ صرف حکومت کی طرف سے چند اسکول ہیں مثلاً مکتب ابتدائیہ، مکتب رُشدیہ، مکتب اعدادیہ، مکتب صنائع۔ مگر اہلِ شہر عرب مسلمان ان میں بھی کم پڑھتے ہیں، ترک ہی زیادہ تر ان مدرسوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہاں تعلیمِ نسواں کے معنی صرف مضامین متعلقِ تعلیمِ نسواں لکھنا نہیں ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے تو بہت سے مدارسِ نسواں ہیں۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں؛ مسلمانوں کے لیے بھی ایک مکتبِ نسواں ہے جو ہائی اسکول کے درجے تک ہے اور اس میں ترکی اور بعض عربی خانمیں پڑھتی ہیں۔ خانموں کے ذکر میں پردے کا ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا۔ یہاں تمام مسلمان عورتیں؛ ادنیٰ اور اعلیٰ درجے کی برقعہ اوڑھ کر خود بازار جاتی ہیں اور خرید وفروخت کرتی ہیں۔ ترکی خانموں کا پردہ بالکل برائے نام ہوتا ہے۔ ان کے چہرے صاف نظر آتے ہیں۔ لباس ترکنوں کا بالکل انگریزی ہے لیکن عربنوں کا عربی ہوتا ہے۔

ہارون رشید

ساتویں عباسی خلیفہ (۷۶۳ء تا ۸۰۹ء) ان کے والد کا نام مہدی اور والدہ کا نام خیزران تھا۔ ہارون علوم وفنون کے قدردان تھے۔ ان کے دربار میں بڑے بڑے عالم و فاضل جمع ہوگئے تھے۔ ان میں حضرات امام مالک، امام شافعی، امام محمد اور امام یوسف بھی شامل تھے۔ ان کے عہد میں بغداد کے اطراف میں بغاوتیں ہوئیں جنھیں انھوں نے بڑی بہادری سے فرو کیا۔ رومی سلطنت کو بھی انھوں نے شکست دی اور چین، ہندوستان اور یورپ کے بعض ملکوں سے تعلقات قائم کیے۔ علوم وفنون کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ بغداد ان کے زمانے میں بڑے بڑے مدرسوں کا شہر بن گیا تھا۔ ایران کے شہر طوس میں ہارون رشید کا انتقال ہوا۔

اللہ اللہ! بغداد کی خاک میں کیسے کیسے بزرگ سوتے ہیں۔ ان کے مزاروں کی زیارت میں نے کی۔ مگر دارالخلافہ بغداد کے شاہی محل کہاں ہیں؟ وہ کتب خانہ، وہ مدرسے، وہ رصدگاہیں کدھر ہیں؟ مدرسۂ نظامیہ کس جگہ ہے؟ قصرِ خلد کس طرف ہے؟ آہ! یہ سوالات ہلاکو خاں سے کرو۔ ہم کیا جواب دیں۔ شمس العلما مولانا حالؔی دہلی کے سیّاح سے کہتے ہیں ؎

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیّاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

لیکن یہاں اس نصیحت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں کھنڈر تک نہیں رہے۔ ولایت بغداد کے سرکاری سالنامے میں مؤلف تاریخی عمارات کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"جہاں آج کل دفتر نظارتِ رسومات ہے، وہاں مدرسۂ نظامیہ تھا۔"

ہارون اور مامون کی تمام کوششوں کا یہ نتیجہ ہے! ہاں، ایک زبیدہ کا مقبرہ تو شکستہ حالت میں باقی ہے، جہاں عرب راہزن رات کو جمع ہوکر مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ بابِل جو ہزاروں برس پہلے تباہ ہوا، اس کے کھنڈر تو باقی ہوں اور نہ باقی ہوں تو عباسیوں کے جاہ وجلال کے نشان! مگر بابل کو ہلاکو نے تھوڑا ہی تاراج کیا تھا۔

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ جو قوم بغداد کو تباہ کرے، اسی کی ایک شاخ جامع

مامون رشید

آٹھویں عباسی خلیفہ (۷۸۶ء تا ۸۳۳ء) جن کا دورِ حکومت عباسی حکومت کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ ان کا دارالحکومت مرو (ترکستان) میں تھا۔ جب اطراف کی حکومتوں نے سر اُٹھایا تو ان کی سرکوبی کے لیے انھوں نے دارالحکومت دوبارہ بغداد میں قائم کرلیا۔ مامون رشید علوم وفنون کے دلدادہ تھے۔ ان کا عہد علمی ترقّیوں کا عہد تھا۔ انھوں نے بغداد میں فلکیاتی مشاہدے اور تجربات کے لیے دو رصدگاہیں تعمیر کروائی تھیں۔ ایک اعلیٰ درجے کا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں دنیا بھر کے علوم کی کتابیں موجود تھیں۔ انھوں نے عبرانی، سنسکرت، یونانی اور فارسی زبانوں کی کئی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔

ملکہ زبیدہ

جعفر بن منصور کی بیٹی تھیں۔ وہ ۷۶۲ء میں پیدا ہوئیں۔ ۷۸۱ء میں ان کا نکاح خلیفہ ہارون رشید سے ہوا۔ ان کا اصل نام اَمَۃ العزیز تھا لیکن ان کے حسن و جمال اور چہرے کے نکھار کے باعث دادا نے ان کا نام زبیدہ رکھا۔ اپنے نامور شوہر کی طرح وہ بھی مشہور تھیں۔ انھوں نے حاجیوں کے لیے پانی کا انتظام کرنے کے لیے ایک نہر تعمیر کروائی تھی جس کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ نہر 'نہر زبیدہ' کے نام سے مشہور ہے۔ زبیدہ نہایت متقی اور مخیّر خاتون تھیں۔ انھوں نے علما، فضلا اور شعرا کی سرپرستی کی اور سخاوت میں بڑا نام پیدا کیا۔ ۸۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔

ہلاکو خان

ہلاکو ایران کے ایلخانی خاندان کا بانی اور منگول سردار چنگیز خان کا پوتا تھا۔ اس کے باپ کا نام تولی خان تھا۔ ہلاکو نے اسماعیلی حکومت کے قلعے الموت پر حملہ کرکے بغداد کو تاراج کردیا۔ لاکھوں افراد قتل کردیے گئے۔ سارے مدرسے اور کتب خانے ہلاکو کے حکم سے جلا دیے گئے۔ سب کتابیں دریا میں بہا دی گئیں۔ اس نے مصر پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کا مقابلہ برقائی خان سے ہوا جو مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے ہلاکو کو زبردست شکست دی۔ ۱۲۶۴ء میں اس کا انتقال ہوا۔

مسجد و قلعہ (دہلی)، تاج محل (آگرہ) جیسی عمارتیں ہندوستان جا کر بنائے۔ کیا یہ مغلوں کی طرف سے تباہیِ بغداد کا نادانستہ کفارہ تھا؟

بہر حال، اے بدبخت دہلی و آگرہ! تم پھر بھی خوش نصیب ہو کہ تمھاری بہت سی عمارتیں قائم ہیں؛ اور تمھارے کھنڈر ابھی غائب نہیں ہوئے مگر اے بغداد.....!

معانی و اشارات

حرماں	غم، دکھ، مایوسی	مخالطہ	میل جول
جبیں پر بل نہ ہونا	مزاج خراب نہ ہونا	صبّاغ	رنگ ریز
سرگرانی	دردِ سر	کفّارہ	قصور کا بدلہ دینا
مجموعۂ پانی	ملا جلا پانی	رصدگاہ	آسمان کے مشاہدے کی تجربہ گاہ
عراقین	دو عراق (شمالی/جنوبی)	خانم	خان کا مؤنث
خُرمستان	کھجوروں کا باغ	ترکن	ترک عورت
لا متناہی	کبھی نہ ختم ہونے والا	عربن	عربی عورت
		ولایت	مراد انگلستان

6QP79D

مشق

* فرق بتائیے یا موازنہ کیجیے۔
  سوڈان کے خرمے کے درخت
  اور
  عراقین کے نخلستان اور خرمستان
* مصنف نے بصرہ کے لوگوں کو 'زندہ انسانی پھول' کہا ہے۔ وجہ بتائیے۔
* بصرہ میں قوموں کے مخالطے پر اپنی رائے دیجیے۔
* 'مدینۃ العلم والفضل بغداد اپنی تمام فضیلت کھو بیٹھا ہے۔' اس تعلق سے دس سطروں میں اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔
* بغداد میں عرب مسلمان عورتوں اور ترک عورتوں کی طرز رہائش کا موازنہ کیجیے یا فرق بتائیے۔
* بغداد میں عرب مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* بغداد کے کھنڈرات اور ہندوستان کے کھنڈرات سے متعلق مصنف کے خیالات اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* سبق کی روشنی میں ان جملوں کی وضاحت کیجیے:
  ۱۔ سمندر کی جبیں پر ذرا بھی بل نہ تھا۔
  ۲۔ مئی، جون میں خلیج فارس کا مزاج برہم ہوتا ہے۔

* محاوروں/لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔
طلسم ہونا ، تاراج ہونا ، مزاج برہم ہونا ، دوڑا دوڑا پھرنا ، لامتناہی سلسلہ
* قوسین سے صحیح نام چن کر ستون 'الف' کے سامنے لکھیے۔
(سر سیّد احمد خان، یوسف خان کمبل پوش، شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد)

	الف	ب
۱۔	عجائباتِ فرنگ	....
۲۔	مسافرانِ لندن	....
۳۔	سفر نامۂ روم و مصر و شام	....
۴۔	سیرِ ایران	....

* "سنا ہے بوشہر کے انگور کھٹے ہوتے ہیں۔" مصنف کے اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔
* ہندوستان میں قوموں کے مخالطے کی مثالیں دیجیے۔
* ترک اپنے تئیں یوروپین سمجھتے ہیں۔
* نقشے پر مصنف کے سفر کے راستے کی نشان دہی کیجیے۔
* ہندوستان کے تاریخی مقامات کی تصویریں جمع کر کے چند سطروں میں ان کا تعارف لکھیے۔
* انٹرنیٹ کی مدد سے عراق، بصرہ، سوڈان کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔

بابِل

اس لفظ کے معنی ہیں خدا کا شہر یا خدا کے شہر کا دروازہ۔ بابل دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے علاقے میں آباد ایک قدیم اور مشہور عراقی شہر تھا۔ برصغیر سے واپسی کے بعد سکندرِ اعظم اسی شہر میں فوت ہوا تھا۔ یہاں سامی اور آشوری قومیں آباد تھیں جنھوں نے دو ہزار قبل مسیح سے بھی پہلے علوم و فنون، تجارت اور حکومت میں بہت ترقی کر لی تھی۔ سپتا کریب اور حمورابی نامی بادشاہوں نے اس شہر کو خوب ترقی دی، اسے باغوں اور عمارتوں سے سجا دیا۔ بابل کے جھولتے ہوئے باغات قدیم عجائب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حمورابی نے دنیا کو پہلی بار سماجی اور سیاسی قوانین کا پابند کیا۔ بابل کے لوگ ستارہ پرست تھے۔ انھوں نے لکھنے کا طریقہ ایجاد کیا اور پہلی بار دنیا کو حروفِ تہجّی سے آشنا کیا۔ یہ حروف مٹّی کی تختیوں پر کیلوں سے لکھے جاتے تھے۔ اسے میخی تحریر کہتے ہیں۔

* دیے ہوئے خانوں میں مناسب معلومات لکھیے۔

بابل کے معنی ↓ [ ]   بابل کے دریا ↓ [ ]   بابل کی قومیں ↓ [ ]   بابل کے حکمراں ↓ [ ]

بابل کے عجائب ↓ [ ]   بابل میں لکھنے کا طریقہ ↓ [ ]

بغداد

موجودہ عراق کا دار الحکومت جو دجلہ کے کنارے اور دریائے فرات سے ۲۵ میل شمال کی طرف واقع ہے۔ ۷۶۲ء میں منصور عباسی نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ دیکھتے دیکھتے یہ بڑا تجارتی مرکز بن گیا اور ہارون رشید کے عہد میں اوجِ کمال کو پہنچا۔ الف لیلہ کی داستانوں میں اس کی عظمت کا عکس نظر آتا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں یہ عراق کا دار الحکومت بنا۔ بغداد درآمد و برآمد کا بڑا مرکز اور ریلوں اور طیاروں کا مستقر ہے۔ یہاں بڑی بڑی صنعتیں قائم کی گئی ہیں جن میں تیل کی صنعت سب سے نمایاں ہے۔ دیگر صنعتوں میں بجلی، آب رسانی، اینٹ، سیمنٹ اور کپڑے کی صنعتیں شامل ہیں۔ اس شہر کے بیچوں بیچ دریائے دجلہ بہتا ہے۔ سوق العطا طیر میں عطر کی دکانیں ہیں۔ یہاں بڑی بڑی مساجد بھی ہیں۔ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام کاظمؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، بہلول دانا، ملکہ زبیدہ اور امام یوسفؒ جیسے اکابرین کے مزارات یہاں واقع ہیں۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.hamariweb.com

۷ بخار

ڈاکٹر محمد اسد اللہ

پہلی بات : ہم اس دنیا میں راحت، چین اور اطمینان کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ لیکن غم، پریشانیاں، حادثات اور بیماریاں ہمارا سکون غارت کر دیتی ہیں۔ ان سب کے ذریعے کبھی ہماری آزمائش ہوتی ہے، کبھی ان سے ہماری شخصیت نشوونما پاتی ہے اور کبھی بدلتے ہوئے حالات میں ہمارے اندر چھپی ہوئی قوتیں اور صلاحیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

بخار اور بیماری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان سے ہمارے گناہ جھڑتے ہیں اور صحت یابی کے بعد ہم نئے جوش و خروش کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

انشائیہ : انشائیہ ایک نثری صنف ہے۔ یہ مضمون کی ایک قسم ہے۔ عام طور پر مضمون میں علمیت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس انشائیہ میں معلومات کی بجائے خیالات اور تاثرات پیش کیے جاتے ہیں۔ انشائیہ نگار کسی موضوع کے ہلکے پھلکے پہلو کو شگفتہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ انشائیے میں ابتدا اور اختتام لگے بندھے نہیں ہوتے۔ بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے اور انشائیہ نگار بے تکلفی کے ساتھ اظہارِ خیال کرتے ہوئے ہمیں اپنا ہم خیال بنا لیتا ہے۔

انشائیے میں موضوع کی کوئی قید نہیں بلکہ کسی بھی موضوع سے متعلق خیالات کا انوکھا پن اور تازگی ہی میں انشائیے کی خوبی چھپی ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ چیزوں کو جس طرح دیکھتے ہیں، ایک انشائیہ نگار بالکل الگ زاویے سے ان پر نظر ڈالتا ہے۔ چیزوں کے بارے میں عام لوگوں اور انشائیہ نگار کے خیالات مختلف ہوتے ہیں۔

جان پہچان : محمد اسد اللہ ۱۶/ جون ۱۹۵۸ء کو امراؤتی ضلع کے ایک قصبے وروڈ میں پیدا ہوئے۔ جونیئر کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے ناگپور میں سکونت پذیر ہیں۔ انھوں نے انشائیہ کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ مراٹھی کے مزاحیہ ادب کے تراجم اور بچوں کے ادب پر مبنی ان کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ 'بوڑھے کے رول میں'، 'انشائیہ کی روایت مشرق و مغرب کے تناظر میں'، 'پر پرزے' اور 'خواب نگر' ان کی تصانیف ہیں۔

زندگی کے معمولات سے اچانک طبیعت اُچٹ جائے، پورے وجود پر ایک تھکن سی سوار ہو جائے اور اچھا خاصا صحت مند جسم چلتے چلتے رک جائے بلکہ نخرے دِکھانے لگے تو سمجھ لیجیے آپ بخار میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

بخار کے دوران تیمارداری کرنے والے یا مزاج پرسی کے لیے آنے والے لوگ جو راحت پہنچاتے ہیں، ان کے چند تسلّی بھرے جملوں سے جو خوشی میسر ہوتی ہے اس کی ٹھنڈک دل کے اندر تک محسوس کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی نہ ہو تو کم از کم روزمرہ کے جھمیلوں سے چھٹکارا تو مل ہی جاتا ہے۔ اس خوشی سے وہ بچے بخوبی واقف ہیں جنھیں ہر دن، ہر حال میں بیگ اُٹھا کر اسکول جانا لازمی ہوتا ہے۔ منّت سماجت، عذر، بہانہ، غرض دنیا کی کوئی طاقت انھیں اسکول جانے سے نہیں روک پاتی۔ البتہ کسی دن صبح اُٹھ کر جب وہ اعلان کرتے ہیں کہ "مجھے بخار آ گیا ہے۔" تب امّی ان کا ماتھا چھوکر کہتی ہیں، "ارے ہاں! تمھیں تو تیز بخار ہے۔ میرے لعل! ٹھیک ہے۔ آج اسکول نہ جاؤ۔" تب بچوں کو اچانک محسوس ہوتا ہے کہ انھیں گویا الہ دین کا چراغ مل گیا ہے جس سے بخار ایک جن کی طرح نمودار ہوا اور اس نے انھیں اسکول جیسی مصیبت سے چھٹکارا دلا دیا۔ پہلی بار انھیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اندر بخار جیسی زبردست طاقت موجود ہے۔

ممکن ہے بخار سے متعلق ہمارے یہ خیالات کسی ایسے شخص کے لیے زخموں پر نمک کا کام دیں جس کے پیچھے بخار کسی قرض خواہ کی طرح لٹھ لیے پھر رہا ہو۔ بخار سے متعلق میں خاصا خوش گمان واقع ہوا ہوں۔ بچپن بیتے ایک عرصہ ہوا، دو ایک مرتبہ سے زیادہ حرارت سے تپتے ہوئے کسی بخار کے نرم ہاتھوں نے میرے ماتھے کو چھوکر نہیں پوچھا، "کہو اب طبیعت کیسی ہے؟" بخار میرے نزدیک ایک دلچسپ تجربہ ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ بخار کسی مہمان کی طرح آتا ہے اور تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔ اس کے آتے ہی ہم دوا دارو، ڈاکٹر، انجکشن وغیرہ کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ ناظرینِ باتمکین سمجھتے ہیں کہ ہم بخار کو بھگانے کی تیاری کر رہے ہیں جبکہ یہ سب اس معزز مہمان بخار کی خاطر مدارات کے لیے ہوتا ہے۔ بخار جب رخصت ہونے لگتا ہے تو مریض اس سے چپکے سے کہتا ہے کہ بھائی! کبھی کبھار آ جایا کرو۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھو، تمھارے آنے سے مجھ کولہو کے بیل کو دو تین دن کا آرام مل جائے گا ورنہ مجھے نہ میرا آفس چین لینے دیتا ہے نہ گھر کی مصروفیات ایک پل آرام کا موقع دیتی ہیں۔ میرے آرام کی فکر کسے ہے؟ تم ہی ان سب کو سمجھا سکتے ہو۔ تمھارا حکم کوئی نہیں ٹالتا۔ تمھارا حوالہ موجود نہ ہو تو چھٹی کی درخواست بھی منظور نہیں ہوتی!

وقت کا پہیا جو تیزی سے گھوم رہا ہے، ہماری روزمرہ کی مصروفیات سے عبارت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا ایک عظیم الشان مشین ہے اور انسان اس کے کروڑہا پہیوں میں سے ایک ادنیٰ پہیا ہے۔

بخار ایک بڑی طاقت کی مانند ہے جو ہماری مصروفیات کے پہیے کو یکلخت روک دیتی ہے اور ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے کہ کہیں ہمیں یہ باور کرا کے بے وقوف تو نہیں بنایا جا رہا ہے کہ سارے پہیے ہمارے ہی چلانے سے چل رہے ہیں۔

بخار میں جہاں مریض کو برے برے خواب دِکھائی دیتے ہیں، وہیں کچھ حقیقتیں بھی اس پر منکشف ہوتی ہیں۔ ان حقائق میں انسان کو اپنی بے بسی، کسمپرسی اور بے مصرفی کے چہرے دِکھائی دینے لگتے ہیں۔ انسان کے سامنے اس کی شخصیت کے دونوں پہلو آئینہ ہو جاتے ہیں کہ حد درجہ کارآمد سمجھا جانے والا یہ شخص، وقت پڑے تو اتنا ہی ناکارہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ہماری خوبیوں اور خامیوں کے سارے پتے جب کھل جاتے ہیں اور جن پتوں پر تکیہ تھا وہ ہوا دینے لگتے ہیں۔ تب آدمی بستر پر لیٹے لیٹے غالبؔ کے اس مصرع پر غور کرتا رہ جاتا ہے ؎

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

بخار کے بارے میں لوگ باگ کچھ بھی کہیں، ڈاکٹروں کی رائے جو بھی ہو، ہمارا یقین ہے کہ بخار انسان کی ایک اندرونی ضرورت ہے۔ بخار ہماری ہڈیوں اور خون کی تہہ نشیں موجوں میں اندر ہی اندر لاوے کی طرح پکتا ہے اور بے کسی کی زندگی گزارتا ہے۔

ہماری شخصیت کے وہ عناصر جن کو عدم توجہی اور زمانے کی ناقدری کا احساس بے قرار رکھتا ہے، جسم کے اندر ایک جگہ جمع ہونے لگتے ہیں۔ ایسے تمام بے کل اجزا کا مجمع جسم کے شہر میں 'بند' کا نعرہ لگا کر ہڑتال پر نکل پڑتا ہے تب جسم و جاں سلگنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات چھینکوں پر چھینکیں آتی ہیں۔ ٹانسل بڑھ جاتے ہیں۔ دردِ سر ہمارے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔ تب ہمارے آس پاس موجود لوگ چونک پڑتے ہیں، دوڑے دوڑے آتے ہیں۔ خیریت دریافت کرتے ہیں؛ ارے! کیا ہوا؟ بھئی بخار کیسے آ گیا؟ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ اس قدر دوڑ دھوپ اچھی نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اندھا کیا چاہے ...دو آنکھیں! ہمارے اندر چھپا بیٹھا بخار بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی ہماری محنت و مشقت کا اعتراف کرے، ہمارے حال پر ترس کھا کر ہمدردی کے دو میٹھے بول سے ہمارا کلیجا ٹھنڈا کرے۔ عام حالت میں یہ ساری فضا مفقود تھی۔ بخار کے آتے ہی موسم بدل جاتا ہے۔

بخار کی آمد سے پہلے اور اس کے جانے کے بعد لوگ ہمیں اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی اخبار پر سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ جائے۔ بخار کے آتے ہی ہم ایک خاص خبر بن جاتے ہیں۔ زندگی کا اصل مزہ تو انھی لمحات میں ہے جب آپ کسی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ بخار کی حالت میں ہمارے عزیز و اقارب اور دوست ہمارے قریب آ جاتے ہیں۔ ان کے چہروں پر محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات اُبھرنے لگتے ہیں۔

اس حالت میں ہم سے ملنے والا ہر شخص ایک نیا انسان ہوتا ہے۔ کوئی چیز تھی جو لوگوں میں چھپی ہوئی تھی۔ بخار اسے بہزار حیلے ڈھونڈ نہ نکالتا تو وہ آپ کو کبھی نظر نہ آتی۔

آپ کی بیماری کی خبر ملتے ہی کوئی شخص عیادت کے لیے آیا تو ایسا محسوس ہوا گویا اس کے اندر ایک الگ قسم کا انسان بھی تھا، مزاج پرسی کے لمحوں میں وہ معصوم، نرم دل، اپنائیت سے بھرپور اور پیارا سا انسان کھٹ سے باہر نکل آیا اور ہر طرف ایک خوشگوار سی محبت بھری فضا قائم ہوگئی۔

معانی و اشارات

روزمرہ	ہر روز، ہمیشہ، آئے دن	حقائق	حقیقت کی جمع، اصل حالات، سچی باتیں
جھمیلا	جھگڑا، بکھیڑا، ناپسند حالات	کسمپرسی	ایسی حالت جس میں کوئی پرسانِ حال نہ ہو
منّت سماجت	خوشامد	بے مصرفی	نکمّا پن، بے کاری
عذر	بہانہ، حیلہ، انکار، معافی	عدم توجہی	توجہ کا نہ ہونا
خوش گمان	خوش خیال	ٹانسل	حلق کے غدود
کولھو کا بیل	نہایت محنتی، محنت کش	کلیجا ٹھنڈا کرنا	جی خوش کرنا، تسلی دینا
باور کرانا	بھروسا دلانا، یقین دلانا	مفقود ہونا	غائب ہونا، ناپید ہونا، لا پتا ہونا
منکشف ہونا	ظاہر ہونا	بہزار حیلے	مختلف بہانوں سے

مشق

* خط کشیدہ الفاظ کے لیے مناسب محاوروں کا استعمال کرکے جملے دوبارہ لکھیے۔

	بیانات	محاورے
۱۔	برسوں بعد بیٹے کی واپسی پر ماں <u>بہت خوش ہوئی</u>۔	تکیہ کرنا
۲۔	کھٹملوں اور مچھروں کے پریشان کرنے سے میری آنکھ کھل گئی، پھر مجھے <u>نیند نہیں آئی</u>۔	کلیجا ٹھنڈا ہونا
۳۔	بچی کی شادی کے وقت رشتے داروں سے <u>بڑی اُمیدیں تھیں</u>۔	اُچٹ جانا

* سبق کی روشنی میں جملے درست کیجیے۔

۱۔ صحت مند جسم گرم ہوجائے تو سمجھیے آپ بخار میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

۲۔ تیمارداری کرنے والوں کے جملے سے جو کڑھن ہوتی وہ دِل کو محسوس کر جاتی ہے۔

۳۔ ڈاکٹر کے آتے ہی ہم دوا دارو، انجکشن کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

۴۔ بیماری بڑی طاقت ہے جو ہماری مصروفیات کے پہیے کو یکلخت روک دیتا ہے۔

* الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

تیمارداری، مزاج پرسی، خوش گمان، چارہ گر، نوحہ خواں

* 'گردشِ ایام' کا مطلب واضح کیجیے۔

* رواں خاکے کی مدد سے واقعے کو مکمل کیجیے۔

۱۔ زندگی کے معمولات سے -

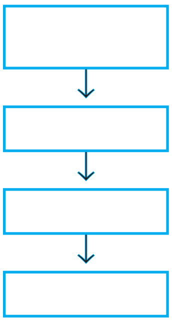

* 'چچا چھکن کی تیمارداری' کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ 'تیمارداری' کو مرکزی خیال بناتے ہوئے پندرہ سطروں کا مزاحیہ مضمون لکھیے۔

* اگر کبھی آپ بخار میں مبتلا ہوئے ہوں تو اس وقت کی کیفیت اور مزاج پرسی کرنے والوں کے تاثرات لکھیے۔

* علاج کے کئی طریقے ہیں۔ اس اعتبار سے ڈاکٹروں کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ نیچے دی گئی ڈگریوں کو طریقۂ علاج کے مطابق صحیح مقام پر لکھیے۔

۱۔	ایم بی بی ایس	ہومیوپیتھی
۲۔	بی یو ایم ایس	آیورویدک
۳۔	بی اے ایم ایس	یونانی
۴۔	بی ایچ ایم ایس	دانتوں کا ڈاکٹر
۵۔	بی ڈی ایس	ایلوپیتھی

* درج بالا ڈگریوں کے نام مکمل صورت میں لکھیے۔

عملی قواعد

واحد	لڑکا	پری	کتاب	چڑیا
جمع	لڑکے	پریاں	کتابیں	چڑیاں

اوپر کے خاکے کے مطابق واحد کو جمع بنانے کے بارے میں آپ پچھلی جماعتوں میں معلومات حاصل کر چکے ہیں۔

اب ذیل کے خاکے میں واحد/ جمع لفظوں کو بغور پڑھیے۔

واحد	کتاب	خبر	تصویر	حالت
جمع	کتابیں / کتب	خبریں / اخبار	تصویریں / تصاویر	حالتیں / حالات

ان مثالوں میں جمع کے پہلے کالم میں واحد لفظوں کی اُردو جمع بتائی گئی ہے۔ انھی لفظوں کی عربی جمع بھی، جو دوسرے کالم میں دی گئی ہے، اُردو میں استعمال کی جاتی ہے۔

عربی جمع بنانے کے اور بھی طریقے ہیں مثلاً

واحد	منظر	قصر	محل	ذکر
جمع	مناظر	قصور	محلات	اذکار
واحد	ظرف	سامع	رب	طالب
جمع	ظروف	سامعین	ارباب	طلبہ

اس جدول میں جس طرح واحد لفظوں کی عربی جمع بنائی گئی ہے اسی طرح ذیل کے لفظوں کی جمع لکھیے۔

واحد	منزل	شہر	خیال	فکر
جمع	....	....	....	....
واحد	رسم	حاضر	ضد	فقیر
جمع	....	....	....	....

اُردو میں عربی جمع کی طرح بہت سے فارسی الفاظ بھی جمع کی صورت میں استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً

ع : موجِ دریا کی قسم ، بادِ بہاراں کی قسم
ع : سیل دیکھے ہیں کوہساراں کے
ع : یہاں اک شہر تھا ، شہرِ نگاراں
ع : قافلہ تھا کہ نہیں ، ہم سفراں تھے کہ نہیں

ان مصرعوں میں 'بہاراں، کوہساراں، نگاراں، ہم سفراں' کے الفاظ 'بہار، کوہسار، نگار، ہم سفر' کی جمع ہیں۔ فارسی میں اکثر لفظ کے آخر میں 'اں' بڑھا کر جمع بناتے ہیں۔

* درج ذیل الفاظ کی جمع بنائیے۔

مرد، زن، چراغ، شب، درخت، یار

۸ سَیر پہلے درویش کی

میر اَمّن دہلوی

پہلی بات : اُردو نثر اپنے ابتدائی زمانے (اٹھارہویں صدی) میں قرآن اور مذہبی رسالوں کے ترجموں، مختصر اور طویل قصے کہانیوں اور اخلاقی نصیحتوں کے عربی فارسی اسالیب میں نمو پا رہی تھی۔ یہ ہمارے زمانے کی بول چال کی زبان کی طرح نہیں تھی۔ انگریزی سرکار نے اپنے ملازموں اور فوجیوں کی تعلیم کے لیے ہندوستان میں جب درسی نصاب تیار کیا تو عام نثری زبان کے نمونے اس کے سامنے نہیں تھے۔ کولکاتا کے فورٹ ولیم کالج میں درسی کتابوں کی تیاری کے لیے ایسے منشی مقرر کیے گئے جو سرکاری حکم کے مطابق اُردو نظم و نثر کا تعلیمی مواد تیار کرتے۔ اس ضمن میں کچھ داستانیں مثلاً حاتم طائی اور چار درویشوں کے قصے عام گفتگو کی نثر میں لکھوائے گئے۔

چار درویشوں کا قصہ فارسی اور فارسی جیسی دقیق اُردو میں خاصا مقبول تھا۔ میر عطا حسین خاں تحسینؔ نے اس کا ترجمہ 'نوطرزِ مرصّع' کے نام سے کیا تھا لیکن اس ترجمے کی زبان عام بول چال کی زبان نہیں ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل جان گِلکرسٹ نے اس قصے کو میر اَمّن دلّی والے سے لکھوایا۔ اس کا نام 'باغ و بہار' رکھا گیا۔ 'باغ و بہار' ایک مختصر داستان ہے۔

داستان کہانی سنانے کا ایک طریقہ ہے جس میں ایک کہانی میں کئی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ چار درویش اپنی اپنی کہانی سناتے اور ان کی کہانیوں میں بھی کئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں شامل نظر آتی ہیں۔ کبھی ان کہانیوں میں ہلکا سا ربط بھی نظر آتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ داستان میں سنائی جانے والی کہانیوں کا آپس میں کوئی ربط بھی ہو۔ داستان میں ایک مرکزی کردار ہوتا ہے۔ کسی بڑی مہم کو سر کرنے کے لیے وہ کئی طرح کے خطرناک مرحلوں سے گزرتا ہے۔ جب وہ مہم سر ہو جاتی ہے تو ایک خاص منزل پر داستان اپنے انجام تک پہنچتی ہے۔ عام طور پر داستانوں کا انجام خوش گوار ہوتا ہے۔ داستان میں دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سننے یا پڑھنے والے کے تحیّر اور تجسّس کو قائم رکھے۔ مافوق الفطرت عناصر اور کردار بھی داستان کے تحیّر کی فضا کو قائم رکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ داستان کو ایک کے بعد ایک کئی مراحل سے گزارا جاتا ہے اور اس کے بیان میں زبان ایسی استعمال کی جاتی ہے کہ داستان کی طوالت اُکتاہٹ کا سبب نہیں بننے پاتی۔

تاریخ کے جھروکے سے...

اٹھارہویں صدی کے آخر میں ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد انگریز جنوبی ہندوستان کے بڑے حصے پر قابض ہو گئے۔ اس وقت حکومت کی دفتری زبان فارسی تھی لیکن عوامی سطح پر بولی اور سمجھی جانے والی زبان اُردو تھی۔ انگریز گورنر جنرل ویلزلی نے انگلینڈ سے آنے والے نئے حکام اور عام ملازمین کو دیسی زبان سے واقف کرانے کے مقصد کے تحت ۴ مئی ۱۸۰۰ء کو ایک مستقل تعلیمی ادارے 'فورٹ ولیم کالج' کی بنیاد ڈالی۔ ویلزلی نے کالج میں کئی شعبے قائم کیے اور لائق اساتذہ کا تقرر کیا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کو ہندوستانی زبان کے شعبے کا صدر منتخب کیا۔ گلکرسٹ نے ہندوستانی انگریزی لغت، ہندوستانی علم اللسان، اُردو صرف و نحو اور مشرقی زباندانی جیسے موضوعات پر مشتمل تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف خود تصنیف و تالیف کا کام کیا بلکہ اس عہد کے کئی نامور نثر نگاروں کی خدمات حاصل کیں اور ان سے ایسی کتابیں ترجمہ، تصنیف و تالیف کرائیں جن میں سے اکثر آج بھی بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

اس سبق کا عنوان 'سیر پہلے درویش کی' ہے۔ لفظ 'سیر' یہاں عام قسم کے سیر سپاٹے کا بیان نہیں بلکہ درویش کی زندگی میں کیسے کیسے واقعات پیش آئے، اس کا تعلق کن لوگوں سے تھا، کہانی سنانے والے نے ان کے ساتھ کیسے حالات دیکھے اور اس کی زندگی کے سفر کا انجام کیا ہوا، یہ ساری باتیں لفظ 'سیر' کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں۔

میں یہاں بھی ہوں !

آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی

جان پہچان : میرامّن کے حالات پوری طرح معلوم نہیں البتہ ان کے متعلق چند باتیں معروف ہیں۔ وہ ۱۷۵۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام میرامان بھی بتایا جاتا ہے۔ ان کا تخلص لطفؔ تھا۔ وہ فارسی کے عالم تھے۔ انھوں نے فارسی تصنیف 'اخلاقِ مُحسنی' کا اُردو ترجمہ 'گنجِ خوبی' کے نام سے کیا ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد دہلی جب برباد ہوگئی تو میرامن عظیم آباد (پٹنہ) جابسے۔ یہاں بھی ان کے حالات ناسازگار رہے تو انھوں نے کلکتے کی راہ لی۔ یہاں کچھ دنوں بعد فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرسٹ تک ان کی رسائی ہوئی جنھوں نے منشی کے عہدے پر ان کا تقرر کردیا۔ وہ پانچ برس کالج میں ملازم رہے۔ اس مدت میں انھوں نے 'باغ و بہار' تصنیف کی۔ 'باغ و بہار' پر میرامّن کو کالج کی طرف سے پانچ سو روپے انعام دیے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

پہلا درویش دو زانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا:

ذرا اِدھر متوجہ ہو اور ماجرا اِس بے سر و پا کا سنو۔ اے یاراں! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملکِ یمن ہے۔ والد اِس عاجز کا مَلکُ التُّجار، خواجہ احمد نام، بڑا سوداگر تھا۔ اُس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری اُن کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ اُن کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے؛ ایک تو یہی فقیر جو کفنی، سیلی پہنے ہوئے، مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے۔ دوسری ایک بہن، جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی اور شہر کے سوداگر بچے سے شادی کردی تھی، وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔

غرض جس کے گھر میں اِتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اُس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا! مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز سے ماباپ کے سایے میں پرورش پائی اور پڑھنا لکھنا، سپاہ گری کا کسب و فن، سوداگری کا بہی کھاتا، روزنامہ سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بےفکری میں گزری۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے اِلٰہی سے مرگئے۔ عجب طرح کا غم ہوا، جس کا بیان نہیں کرسکتا۔ ایک بارگی یتیم ہوگیا، کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا۔ اِس مصیبتِ ناگہانی سے رات دن رویا کرتا تھا، کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔

چالیس دن جوں توں کر کٹے۔ چہلم میں اپنے بیگانے، چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی اور سمجھایا: دنیا میں سب کے ماباپ مرتے آئے ہیں اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے؛ پس صبر کرو، اپنے گھر کو دیکھو۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار، لین دین سے ہوشیار رہو۔ تسلّی دے کر وہ رخصت ہوئے۔ گماشتے، کاروباری، نوکر چاکر جتنے تھے، آن کر حاضر ہوئے، نذریں دیں اور بولے: کوٹھے نقد و جنس کے اپنی نظرِ مبارک سے دیکھ لیجے۔ ایک بارگی جو اُس دولتِ بے انتہا پر نگاہ پڑی، آنکھیں کھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کا حکم کیا۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت، پردے، چِلوَنیں تکلف کی لگادیں۔ اور اچھے اچھے خدمت گار دیدارُو نوکر رکھے، سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے، پھانکڑے، مفت پر کھانے پینے والے، جھوٹھے، خوشامدی آ کر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے۔ اُن سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں اور زَٹلّیں، واہی تباہی اِدھر اُدھر کی کرتے اور کہتے: اِس جوانی کے عالم میں کیتکی کی شراب یا گلِ گلاب کھنچوائیے اور عیش کیجیے۔

غرض، آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب، ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول کر، تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی؛ جو جس کے ہاتھ پڑا، الگ کیا۔ گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبر نہ تھی، کتنا روپیا خرچ ہوتا ہے، کہاں سے آتا ہے اور کیدھر جاتا ہے۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ اِس وَرخرچی کے آگے اگر گنجِ قارُون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایک بارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی

رہی۔ وو آشنا، جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے؛ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے۔ اور نوکر چاکر، خدمت گار، بہیلیے، ڈھلیت، خاص بردار، ثابت خانی؛ سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو کہے: یہ کیا تمھارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔ اب دمڑی کی ٹھڈّیاں میسّر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کے کھینچے، تاب بھوک کی نہ لا سکا؛ لاچار بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر، یہ قصد کیا کہ بہن کے پاس چلیے؛ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا نہ خالی خط لکھا؛ بلکہ اُس نے دو ایک خط خطوط ماتم پرسی اور اِشتیاق کے جو لکھے، اُن کا بھی جواب اُس خوابِ خرگوش میں نہ بھیجا۔ اِس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا، پر سوائے اُس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر میں نہ ٹھہرا۔ جوں توں پا پیادہ، خالی ہاتھ، گرتا پڑتا، ہزار محنت سے کئی منزلیں کاٹ کر، ہمشیر کے شہر میں جا کر اُس کے مکان پر پہنچا۔

وو ماجائی میرا یہ حال دیکھ کر، بلائیں لے اور گلے مل کر بہت روئی۔ تیل، ماش اور کالے ٹکے مجھ پر سے صدقے کیے، کہنے لگی: اگر چہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا، لیکن بھیا! تیری یہ کیا صورت بنی؟ اِس کا جواب مَیں کچھ نہ دے سکا، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا کر حمام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وو کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا، تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لَوزِیات، حلوا سوہن، پستہ، مغزی ناشتے کو؛ اور تیسرے پہر میوے خشک و تر، پھل پھلاری؛ اور رات دن دونوں وقت پلاؤ، نان، قلیے، کباب تحفہ تحفہ، مزے دار منگوا کر اپنے روبرو کھلا کر جاتی، سب طرح خاطر داری کرتی۔ میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا، خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجالایا۔ کئی مہینے اِس فراغت سے گزرے کہ پانو اُس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وو بہن (جو بجائے والدہ کے، میری خاطر رکھتی تھی) کہنے لگی: اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پُتلی اور ماباپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے، تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا، جب تجھے دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں، تو نے مجھے نہال کیا؛ لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لیے بنایا ہے، گھر میں بیٹھے رہنا اُن کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے اُس کو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں۔ خصوص اِس شہر کے آدمی، چھوٹے بڑے، بے سبب تمھارے رہنے پر کہیں گے: اپنے باپ کی دولتِ دنیا کھو کھا کر، بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمھاری ہنسائی اور ماباپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح ہے کہ سفر کا قصد کرو، خدا چاہے تو دِن پھریں اور اِس حیرانی اور مفلسی کے بدلے، خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔

یہ بات سن کر مجھے بھی غیرت آئی، اُس کی نصیحت پسند کی، جواب دیا: اچھا! اب تم ماں کی جگہ ہو، جو کہو، سو کروں۔ یہ میری مرضی پا کر، گھر میں جا کے، پچاس توڑے اشرفی کے اَصیل اور لونڈیوں کے ہاتھوں میں لوا کر میرے آگے لا رکھے اور بولی: ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے؛ تم اِن روپیوں سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایمان دار کے حوالے کر کے، دست آویز پکّی لکھوا لو اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو؛ اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو، یا آپ بیچیو۔

میں وہ نقد لے کر بازار میں گیا۔ اسباب سوداگری کا خرید کر ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا، نوشت خواند سے خاطر جمع کر لی۔ وو تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا؛ بہن نے ایک سرے پاو بھاری اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا۔ اور مٹھائی، پکوان ایک خاص دان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا اور چھاگل پانی کی شکار بند

میں بندھوا دی۔ امام ضامن کا روپیا میرے بازو پر باندھا۔ دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر، آنسو پی کر بولی: سدھارو، تمھیں خدا کو سونپا! پیٹھ دِکھائے جاتے ہو، اسی طرح جلد اپنا منہ دِکھائیو! میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا: تمھارا بھی اللہ حافظ ہے۔ میں نے قبول کیا! وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسا کرکے، دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

معانی و اشارات

بے سروپا – بے معنی، فضول
مَلِک التُّجار – تاجروں کا بادشاہ، بہت بڑا تاجر
مہاجن – مالدار، سیٹھ
بیپاری – تاجر، بیوپاری
گماشتے – دلال
کفنی – لمبا کرتا
سَیلی – کالے ریشم کی بنی ہوئی ڈوری جسے گلے میں پہنتے ہیں۔
حضوری میں – سامنے
قبلہ گاہ – مراد والد
اورشہر – دوسرا شہر
ما – ماں ('ما' پرانا اِملا ہے)
چاو چوز – لاڈ پیار
کسب – حاصل
بہی کھاتا – حساب کتاب
روزنامہ – وہ بیاض جس میں بیوپاری روز کا حساب کتاب لکھتے ہیں، بہی کھاتا
قضائے الٰہی – اللہ کی مرضی
ایک بارگی – اچانک
مصیبتِ ناگہانی – اچانک آنے والی مصیبت
فراغت – فرصت
اپنے تئیں – خود
وو – وہ ('وو' پرانا اِملا ہے)
آنکھیں کھل جانا – حیران رہ جانا
فرّاش – فرش بچھانے والا

6R7YCN

چِلوَن – چلمن، پردہ
تکلف کی – عمدہ
دیدارُو – خوب صورت
پھانکڑے – لفنگے، بدمعاش
آٹھ پہر – ہر وقت
صحبت رہنا – تعلق/ دوستی رہنا
ٹَلّیں – فضول باتیں (واحد: ٹل)
واہی تباہی – بکواس
کیتکی – ایک خوشبودار پودا
آدمی کا شیطان آدمی ہے – (کہاوت) آدمی ہی آدمی کو بہکاتا ہے
نوبت – باری، حالت
کیدھر – کدھر ('کیدھر' پرانا املا ہے)
مالِ مفت دل بے رحم – (کہاوت) مفت کے مال کو بے حساب خرچ کرنا
وَرخرچی – فضول خرچی
قارُون – حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا ایک بہت دولت مند مگر کنجوس آدمی
وفا نہ کرنا – ساتھ نہ دینا
دانت کاٹی روٹی کھانا – گہری دوستی ہونا
کافور ہو جانا – غائب ہو جانا، ساتھ چھوڑ کر چلے جانا
راہ باٹ میں – راستہ چلتے ہوئے
بہیلیے – بہیلیا کی جمع، شکار کے وقت تیر کمان لے کر چلنے والے ملازم، پرندوں کے شکاری

ڈھلیت - لگام تھام کر چلنے والے ملازم
خاص بردار - بندوق اُٹھا کر چلنے والے ملازم
ثابت خانی - ہتھیار سے لیس سپاہی
ٹھڈّیاں - ٹھڈی کی جمع، بھوُنے ہوئے اناج کے دانے جو پوری طرح کھلتے نہیں
بھوکھ - بھوک ('بھوکھ' پرانا املا ہے)
بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر - ڈھیٹ پن سے
اشتیاق - شوق، چاہت
خوابِ خرگوش - بے پروائی
ہمشیر - بہن
ماجائی - بہن
تیل، ماش اور کالے ٹکے صدقے کرنا - نظر اُتارنا
خاصی - عمدہ
لوزیات - لوز کی جمع، بادام کی برفی جس میں دوسرے میوے بھی ملائے جاتے ہیں۔
مغزی - بادام پستے کا سفید حلوا
تحفہ تحفہ - طرح طرح کے
تصدیع - تکلیف
پانو - پاؤں ('پانو' پرانا املا ہے)
خلوت - تنہائی
خاطر رکھنا - خیال رکھنا
بیرن - بھائی
آنکھوں کی پتلی - بہت قریبی، پیارا
موئی مٹی - مردہ مٹی، جن کا انتقال ہو چکا ہو

نہال کرنا - خوش کر دینا
گھر سینا - گھر میں بے کار پڑے رہنا
طعنہ مہنا دینا - طعنے دینا، طنز کرنا
ہنسائی - بے عزّتی
اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر پہنانا - مراد حد سے زیادہ محبت کرنا
کلیجے میں ڈال رکھنا - بہت محبت کرنا
خاطر جمع - اطمینان
توڑے - توڑا کی جمع (ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی)
اصیل - نوکرانی
دست آویز - دستاویز، عہد نامہ
نوشت خواند - لکھا پڑھی
سرے پاو - کپڑوں کا پورا جوڑا
جڑاؤ - نگینے جڑا ہوا
تواضع کرنا - پیش کرنا
خاص دان - ٹفن، توشہ دان
ہرنا - گھوڑے کی کاٹھی کا وہ حصہ جس سے کچھ سامان لٹکایا جا سکتا ہے۔
امام ضامن کا روپیا - ایک رسم کے مطابق سفر پر جانے والے کے بازو پر شگون کے لیے باندھا جانے والا روپیا
دہی کا ٹیکا لگانا - سفر پر جانے والے کی پیشانی پر نیک شگون کے لیے دہی لگایا جاتا ہے
دو منزل کی ایک منزل کرتے ہوئے - تیز رفتاری سے

انٹرنیٹ کی دنیا سے

- www.urducouncil.nic.in
- www.urduword.com
- www.urdulibrary.org
- www.urdulibrary.paigham.net
- www.afsaney.com
- www.urdustudies.com

مشق

* سبق کی روشنی میں شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

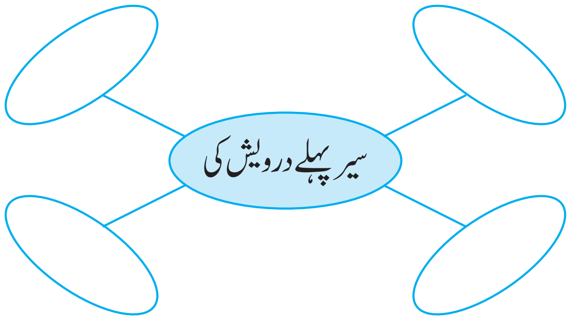

* الفاظ اور معنی کی صحیح جوڑیاں لگائیے۔

الفاظ	معنی
گماشتے	دلال
پھانکڑے	تیر کمان لے کر چلنے والے ملازم
مصاحب	بندوق اُٹھا کر چلنے والے ملازم
بہلیے	ہتھیار سے لیس سپاہی
خاص بردار	لفنگے، بدمعاش
ثابت خانی	لگام تھام کر چلنے والے ملازم
	ہمیشہ ساتھ رہنے والے

* درج ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

آنکھیں کھل جانا، وفا نہ کرنا، دانت کاٹی روٹی کھانا، کافور ہوجانا، تاب نہ لانا۔

* خود کو پہلا درویش تصور کرکے داستان کا یہ حصہ ہمارے زمانے میں بولی جانے والی زبان میں مختصراً بیان کیجیے۔

* درج ذیل جملے کہنے والوں کے نام لکھیے۔

۱۔ "اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار، لین دین سے ہوشیار رہو۔"

۲۔ "کوٹھے نقد و جنس کے اپنی نظرِ مبارک سے دیکھ لیجے۔"

۳۔ "غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔"

۴۔ "اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماباپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔"

* نیچے دیے ہوئے جملوں کے خط کشیدہ الفاظ کا استعمال متروک ہو چکا ہے۔ ان کی جگہ مناسب لفظ کا انتخاب کرکے جملے دوبارہ اس طرح لکھیے کہ ان کا مفہوم تبدیل نہ ہو۔

۱۔ مجھ فقیر نے بڑے <u>چاو چوز</u> سے ماباپ کے سایے میں پرورش پائی۔

۲۔ مال مفت دلِ بے رحم، اس <u>ورخرچی</u> کے آگے اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔

۳۔ اے <u>بیرن</u>! تو میری آنکھوں کی پُتلی اور ماباپ کی <u>موئی مٹی کی نشانی</u> ہے۔

۴۔ خدا کے توکل پر بھروسا کرکے <u>دو منزل کی ایک منزل</u> کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

* ہدایات کے مطابق عمل کیجیے۔

۱۔ سبق میں 'بہن' کے لیے دو الگ الگ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ انھیں لکھیے۔

۲۔ 'قضائے الٰہی' کو اپنے جملے میں استعمال کیجیے۔

۳۔ 'آدمی کا شیطان آدمی ہے۔' اس کہاوت کا مفہوم واضح کیجیے۔

۴۔ 'سیر پہلے درویش کی' سبق سے پانچ محاورے تلاش کرکے لکھیے۔

۵۔ 'نوشت خواند سے خاطر جمع کرلی۔' جملے کا مطلب لکھیے۔

۶۔ تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا، جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ اس جملے سے محاورے تلاش کرکے لکھیے۔

* جملے میں خط کشیدہ لفظوں کی جگہ اقتباس میں آئے ہوئے الفاظ لکھیے۔

۱۔ چہلم میں سب <u>دور قریب کے رشتہ دار</u> جمع ہوئے۔

۲۔ جب <u>دعوت</u> سے <u>فرصت</u> ہوئی تو سب نے فقیر کو باپ کی <u>ٹوپی پہنائی</u>۔

۳۔ لاچار بے حیائی کا <u>برقع پہن کر</u> بہن کی طرف چلنے کا ارادہ کیا۔

۴۔ شب وروز پلاؤ، نان قلیے، کباب طرح طرح کے مزے دار منگوا کر کھلا کر جاتی۔

۵۔ امام ضامن کا روپیا ماتھے پر باندھا اور دہی کا ٹیکا بازو میں دیا۔

✳ **ذیل کے جملوں پر اظہارِ خیال کیجیے۔**

۱۔ جوانی کے عالم میں کیتکی کی شراب یا گُلِ گلاب کھنچوائیے اور عیش کیجیے۔

۲۔ بری صحبت کے مضر اثرات

۳۔ اگر آپ کسی طرح دولت مند ہو جاتے ہیں۔

عملی قواعد

مفرد جملہ

۱۔ پہلا درویش دوزانو ہو بیٹھا۔

۲۔ ان کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے۔

۳۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔

۴۔ چالیس دن جوں توں کر کے کٹے۔

۵۔ آدمی کا شیطان آدمی ہے۔

۶۔ فقیر مسند پر بیٹھا۔

ان جملوں کو غور سے پڑھیے۔ ہر جملہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جیسے

پہلا درویش	-	دوزانو ہو بیٹھا
ان کے یہاں	-	دو بچے پیدا ہوئے

جملے کی اس قسم کے بارے میں آپ گزشتہ جماعتوں میں پڑھ چکے ہیں کہ اس قسم کے جملے کے اجزا **مبتدا** اور **خبر** کہلاتے ہیں۔

جس جملے میں صرف یہ دو اجزا پائے جاتے ہوں، اسے '(مفرد جملہ)' کہتے ہیں۔

✳ **اوپر کے باقی چار جملوں کو مبتدا اور خبر میں تقسیم کیجیے۔ سبق 'سیر پہلے درویش کی' سے دوسرے مفرد جملے تلاش کرکے لکھیے۔**

مرکب جملہ

۱۔ کئی مہینے اس فراغت سے گزرے / کہ / پانو اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

۲۔ تحسین نے اس کتاب کا ترجمہ 'نوطرزِ مرصع' کے نام سے کیا تھا / لیکن / اس ترجمے کی زبان عام بول چال کی نہیں ہے۔

۳۔ دنیا میں سب کے ماباپ مرتے آئے ہیں / اور / اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔

اوپر دی ہوئی مثالوں کے جملے دو دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ان مثالوں میں 'کہ، لیکن، اور' (ترچھے خطوط کے درمیان لکھے ہوئے الفاظ) اپنے سے پہلے اور بعد میں آنے والے جملوں کو جوڑ رہے ہیں۔ اس طرح جڑے ہوئے دو جملوں کے مجموعے کو **مرکب جملہ** کہتے ہیں۔

مرکب جملہ دراصل دو مفرد جملوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان میں ہر جملہ پورے معنی دیتا ہے۔ یہ جملہ 'کہ/لیکن/ اور' لفظوں کے علاوہ 'پھر/ ورنہ/ مگر/ یا' وغیرہ سے بھی جوڑ کر بنایا جاسکتا ہے۔

✳ **نیچے دیے ہوئے جملوں کو قوسین میں دیے ہوئے لفظوں سے جوڑ کر مرکب جملے بنائیے۔**

۱۔ میں نے بہت دیر اس کا انتظار کیا.........وہ مجھ سے ملنے نہ آیا۔ (اور - مگر - پھر)

۲۔ کھانا کھاؤ........دودھ پی کر سو جاؤ۔ (نہ - یا - اور)

۳۔ پہلے ہم نے ملاقات کا وقت طے کر لیا.........ٹھیک وقت پر باغ میں پہنچ گئے۔ (پھر - تب - اور)

اضافی معلومات

'نوطرزِ مرصّع' فارسی کے مشہور قصے 'قصۂ چہار دُرویش' کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کی زبان مرصّع اور دقیق ہے۔ جان گلکرسٹ نے میر امّن سے اسی قصے کو آسان اُردو میں لکھنے کے لیے کہا تھا۔ میر امّن نے ترجمے کا یہ کام ۱۸۰۱ء میں شروع کیا اور ۱۸۰۲ء میں 'باغ و بہار' کے نام سے مکمل کر دیا۔ اس کتاب میں روزمرہ کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ 'باغ و بہار' میں دہلی کے رسم و رواج، لباس و غذا، مشاغل وغیرہ کا نہایت خوش اسلوبی سے بیان ہوا ہے۔ اُردو کی نثری داستانوں میں اسے زبان و بیان کے اعتبار سے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے ہیں۔ اُردو زبان و ادب کا فرانسیسی عالم گارساں دتاسی اس کتاب کا بڑا شیدائی تھا۔ اس نے کئی خطبات میں 'باغ و بہار' کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔

خطوط

حبیب الرحمٰن الصدیقی

پہلی بات : آج کل حال احوال معلوم کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے کو فون کر لیتے یا مواصلات کے دوسرے جدید ترین وسائل کا استعمال کرتے ہیں جیسے ای میل، ایس ایم ایس، واٹس ایپ، فیس بک، وغیرہ۔ اب سے کچھ برسوں پہلے دور دراز مقامات کے لوگ خط و کتابت کے ذریعے اپنے حالات کی خبر ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے۔ خط لکھنا انسانی تہذیب کا ایک اہم لازمہ سمجھا جاتا تھا۔ حالات سے باخبری کا یہ ذریعہ خط و کتابت اب ماضی کی چیز بن گیا ہے۔ ڈاک کی سرگرمیاں تجارتی اور رسمی خطوط، رسائل اور اخبارات وغیرہ پہنچانے تک سمٹ گئی ہیں لیکن کبھی کبھی پوسٹ مین کوئی پوسٹ کارڈ، ان لینڈ لیٹر، ٹکٹ لگا ہوا زرد لفافہ لے آتا ہے جس میں ایک شخص اپنے دوست یا رشتہ دار کو اپنے حالات سے واقف کر رہا ہوتا ہے۔ خط پا کر آج بھی مکتوب الیہ کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ ذیل میں اب سے چالیس پینتالیس برس پہلے لکھے گئے تین خطوط دیے جا رہے ہیں جن میں ایک باپ اپنی بیٹی اور بیٹے کو کچھ اخلاقی باتیں، نصیحتیں اور علمی مسائل سے آگاہ کر رہا ہے۔

مکتوب نگاری : خط لکھنا پیغام رسانی کا اہم ذریعہ رہا ہے۔ یہ انسانی معاشرے کی روزمرہ کی ضرورت میں شامل ہے۔ خطوط میں لکھنے والے کی ضروریات، جذبات و خیالات اور اس کی زندگی کے دیگر مسائل بیان ہوتے ہیں۔ اس سے نہ صرف مکتوب نگار بلکہ مکتوب الیہ کی شخصیت پر بھی ہلکی سی روشنی پڑتی ہے۔ ادبی خطوط کی کوئی مخصوص ساخت اور فنی شرائط مقرر نہیں ہیں۔ خطوط تین اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں: ادبی، سوانحی، تاریخی۔ ادبیت اور انشاپردازی کے سبب مکتوب نگاری کو صنف کی حیثیت حاصل ہوئی۔ خطوط میں لکھنے والے کی شخصیت جھلکتی ہے اور اس کا باطن کھل کر سامنے آتا ہے۔ لیکن اشاعت کی غرض سے لکھے جانے والے خطوط میں حقیقی شخصیت پس پردہ رہ جاتی ہے۔ سوانحی نقطۂ نظر سے وہ خطوط زیادہ اہم ہیں جن میں بے تکلّفی، بے ساختگی اور ذاتی تاثرات کی جھلک ہو۔ تاریخی نقطۂ نظر سے بھی مکتوبات اہمیت رکھتے ہیں۔ مشاہیر کے خطوط میں بعض ایسے اشارے یا تفصیلات ہوتی ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ غالبؔ کے خطوط میں ۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد کے ایسے واقعات ہیں جن کا سراغ کہیں اور نہیں ملتا۔

جان پہچان : حبیب الرحمٰن الصدیقی میرٹھی ۲۱/ مارچ ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ مشہور شاعر مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی ان کے ددھیالی رشتہ دار تھے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے نانا سے حاصل کی۔ ان کے بھائی انھیں اپنے ساتھ ناگپور لے آئے تھے۔ حبیب الرحمٰن نے ناگپور اور امراؤتی سے بی اے اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ وہ پکے مذہبی آدمی تھے۔ ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ موسیقی کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ وہ امراؤتی میں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ہیڈ ماسٹر کے عہدے تک ترقی کی۔ ۲۰/ جولائی ۱۹۷۱ء کو امراؤتی میں ان کی وفات ہوئی۔

بیٹے کے نام خط

سہ شنبہ، ۳۰/ مارچ ۱۹۶۵ء

ابھی تمھارا ۲۱/ مارچ کا لفافہ ملا۔ خط اور غزل وصول ہوئے۔ میں نے پوسٹ کارڈ کے بعد ایک اِن لینڈ لیٹر بھی بھیجا تھا۔ اُمید ہے، اب تک مل گیا ہوگا۔ کل پیر کے دن، تمھاری غزل 'جیسے' ردیف کی واپس کی ہے۔ ان خطوں کی رسید سے مطلع کرو۔

ان سب سے پہلے ضروری کام کی بات سنو۔ تنخواہ ملتے ہی ......کو روپیا بھیجو۔ خدا کا شکر ہے مجھے ضرورت نہیں۔ تین چار دن میں

پنشن مل جائے گی۔ بورڈ سے بھی کچھ ملنے کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ خدا نے چاہا تو آج کل ہی میں مالی پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔ ....کا سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ انھیں بھیجو اور خدا کا شکر ادا کرو کہ اپنا کام تمھارے ذریعے سے پورا کر رہا ہے۔

اکولہ یوں نہ جاسکا کہ بورڈ سے کام مل گیا ہے۔ دس بارہ دن اس کو نمٹانے میں لگیں گے۔ اخو سلّمہا ۱۱/اپریل کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں آئے گی۔ قرۃ سلّمہا بھی آنے والی ہے، عید ہے۔ اب تمھیں بتاؤ، روزی کے ٹھیکرے کو لات مار کر اور پیاروں کا انتظار چھوڑ کر علاج کرانے اکولہ چلا جاؤں! ضعیف و ناتواں ہوں مگر اتنا بھی نہیں۔

تھک گیا۔ ختم کرتا ہوں۔ سب خطوں کی نام بنام رسید بھیجو۔

سب کو بہت بہت دعائیں۔

حبیب الرحمٰن الصدیقی

بیٹے کے نام خط

شنبہ، ۲۴/اپریل ۱۹۶۵ء

تاریخِ اسلام پر سیّد امیر علی کی کتاب History of the Saracens بہترین ہے۔ بہت متوازن تاریخ ہے۔ کسی گروہ یا شخص کا پروپیگنڈا نہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر براؤن کی 'تاریخ ادبیاتِ ایران' مکمل چار جلدیں انگریزی میں پڑھنا۔ اُردو ترجمہ اچھا نہیں۔ یہ سب پڑھنے کے بعد ڈاکٹر نذیر احمد کی 'اُمہات الامّۃ' پڑھنا۔ مگر اس کو شروع کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا کہ نذیر احمد پکے دیندار مسلمان عالم ہونے کے ساتھ ساتھ دہلی کی مولویانہ اُردو میں حقیقت پسند کردار نگار ناول نویس بھی تھے۔ یہ کتاب میرے پاس ہے۔ نورانی سلّمہا کو پڑھوائی کہ یہ کتاب پڑھو۔ وہ بے چاری گم سم ہو کر رہ گئی۔

تم نے جو لکھا ہے، "ہجرت کے بعد چالیس سال کے اندر ہی اندر (یہاں 'ہی' غیر فصیح ہے۔ روزمرہ ہے صرف اندر یا اندر اندر) کیا کیا فتنے کھڑے ہو گئے تھے۔" اسلامی تاریخ کے ہر عقیدت مند مسلمان کو یہ شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجاز مرحوم نے کہا ہے، "اہلِ سیف اُٹھتے رہے اہلِ کتاب آتے رہے"....الخ۔ خیر، تو یہ شاعرانہ تخیل ہے۔ معقول جواب دینے کی کوشش ابنِ خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں اور مارکس نے مادّی جدلیات یا مادّی تعبیر تاریخ میں کی ہے۔ خدا توفیق دے تو یہ پورا نصاب پڑھو۔ مگر تم نے فنِ شعر میں کیا پورا پڑھ ڈالا جو تاریخ پڑھو گے۔

قرۃ سلّمہا آ گئی۔ میرے لیے بڑا پرلطف تحفہ بھیجا ہے۔ رائٹنگ پیڈ ہے۔ کاغذ پر درج ہے ؎

جی غم سے نڈھال ہو نہ جائے ، یا رب	پھر زیست وبال ہو نہ جائے ، یا رب
ساغر میں نظر آنے لگی اک صورت	پینا بھی محال ہو نہ جائے ، یا رب

لاجواب رباعی ہے! اُردو فارسی میں یہ مضمون کہیں نظر نہیں آیا۔ یہ ہے حقیقت پسندانہ مضمون آفرینی۔

تم انھیں مفصل خط لکھو۔ اس رباعی کی داد دو۔

ابھی تمھارے لیے اور مہینے ڈیڑھ مہینے کا انتظار دیکھنا ہے۔ خیر، یوں ہی سہی۔ جب تم آنے کو ہو گے تو لکھوں گا کہ میرے واسطے کیا کیا لاؤ۔ ابھی لکھا تو بھول جاؤ گے۔

فقط

حبیب الرحمٰن الصدیقی

بیٹی کے نام خط

صوبیدار ہاؤس، امراوتی کیمپ

شنبہ، ۱۷/اگست ۱۹۶۸ء

پیاری بیٹی نورانی سلّمہا، بہت بہت دعائیں!

تمھارا ۱۲/اگست کا اِن لینڈ لیٹر اور تیرہ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ خط بہت ہی شکستہ خاطر ہوکر، نہایت افسردگی کے عالم میں لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ رات بھر اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہا۔ تم نے اپنی تمام پریشانیاں اس خط میں جمع کر دی ہیں۔ یقیناً تمھارا معاملہ بہت اچھا ہوا ہے۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ تنخواہ اُلجھیڑے میں پڑ گئی ہے۔ دعا کرو، مشکل کُشا بے انتہا قوی ہے ...'یا حی یا قیوم' چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے پڑھتی رہو۔ تمھاری تشفی کے لیے کلامِ پاک کی پوری آیت کا ترجمہ جس میں "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" ہے، لکھتا ہوں۔ "اور (لوگو) تمھارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا مانگتے رہو، میں تمھاری (دعا) قبول کروں گا... جو لوگ (مارے غرور کے) ہماری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں عن قریب (مرے پیچھے ذلیل) خوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔" (سورۂ مومن: آیت ۶۰)

اللہ تمھاری مشکل آسان فرمائے۔ تمھیں توانائی و تندرستی، کامیابیاں اور عزّت و آبرو عطا فرمائے۔

ابھی تمھارا خط عطا میاں سلّمہٗ کے نام دیکھا۔ بڑی بھولی ہو۔ اسے طالب علمی سکھا رہی ہو۔ صبح کا گیا ہوا ہے۔ اب دو بج رہے ہیں، اب تک تو آیا نہیں۔ کالج میں الیکشن ہیں، تین چار دن سے دن رات اس خبط میں مبتلا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے دو رفقائے کار یہ اطلاع دینے آئے تھے کہ عطا میاں کلاس سے چن کر آ گیا ہے۔ اب تقریری قابلیت کا مقابلہ ہے۔ ابھی ذکاء سلّمہٗ کا بھی خط آیا ہے۔ مجھے بڑی تاکید سے رام پور بلایا ہے۔ گھر کا حال اور ان باتوں پر پھر کبھی لکھوں گا۔ صبح چائے پی کر لکھنے بیٹھا تھا۔

سب کو دعائیں!

حبیب الرحمٰن الصدیقی

معانی و اشارات

سہ شنبہ	منگل	شکستہ خاطر ہوکر	مایوس ہوکر
مطلع	باخبر	غلطاں و پیچاں	پریشان
سلّمہا	اس پر سلامتی ہو (مؤنث کے لیے)	اُلجھیڑے میں پڑنا	پریشانی میں آنا
لات مارنا	ٹھکرا دینا	تشفی	تسلی
پروپیگنڈا	تشہیر، تبلیغ	سلّمہٗ	اس پر سلامتی ہو (مذکر کے لیے)
الخ	مراد آخر تک (عربی فقرہ 'اِلیٰ آخِرِہٖ' کا مخفف)	خبط	غلط سوچ، فکر کی گڑبڑ
شنبہ	سنیچر	رفقائے کار	کام کے ساتھی
		چن کر آنا	الیکشن میں جیت جانا

مشق

✳ درج ذیل کے لیے ایک لفظ لکھیے۔

۱۔ خط لکھنے والا

۲۔ جسے خط لکھا جائے

۳۔ خط لکھنا

✳ خطوط کی قسم کے لحاظ سے مناسب لفظ لکھیے۔

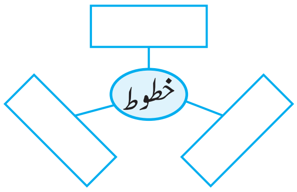

✳ درج ذیل الفاظ کو ایک جملے میں واضح کیجیے۔

۱۔ خط

۲۔ ای میل

۳۔ ایس ایم ایس

۴۔ واٹس ایپ

خط نمبر ۱

✳ خط کی روشنی میں غلط بیان کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ بیٹے کو شاعری کا شوق تھا۔

۲۔ سبکدوشی کے بعد بورڈ کا کام کرتے رہتے تھے۔

۳۔ بیماری کی وجہ سے اکولہ نہ جاسکا۔

۴۔ پنشن کی وجہ سے مالی پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں۔

✳ درج ذیل لفظوں کو ایک ایک جملے میں واضح کیجیے۔

۱۔ الیکشن

۲۔ تنخواہ

۳۔ پنشن

۴۔ بورڈ

✳ پہلے خط کا موضوع لکھیے۔

✳ خط کے تین اہم حصوں کی نشان دہی کیجیے۔

خط نمبر ۲

✳ مناسب جوڑیاں لگائیے۔

	مصنف	کتاب
۱۔	سیّد امیر علی	اُمہات الامّہ
۲۔	ڈاکٹر براؤن	History of the Saracens
۳۔	ڈاکٹر نذیر احمد	تاریخِ ادبیاتِ ایران

خط نمبر ۳

✳ خط کشیدہ لفظ اس طرح کے الفاظ سے تبدیل کیجیے کہ مفہوم تبدیل نہ ہو۔

۱۔ تم نے یہ خط بہت ہی شکستہ خاطر ہوکر لکھا ہے۔

۲۔ رات بھر اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہا۔

۳۔ تین چار دن سے دن رات اسی خبط میں مبتلا ہے۔

۴۔ بڑی مشکل تو یہ ہے کہ تنخواہ الجھیڑے میں پڑگئی ہے۔

✳ تیسرے خط سے نصیحت آمیز دو جملے لکھیے۔

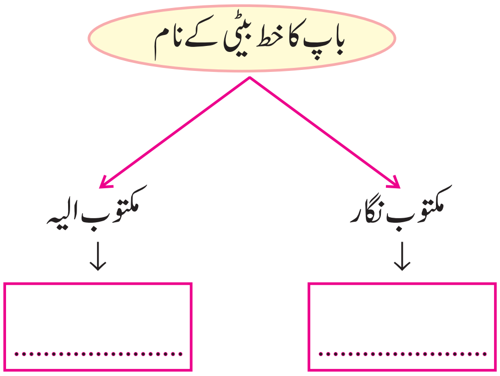

✳ "مشکل کُشا بے انتہا قوی ہے۔" خط کی روشنی میں جملے کی وضاحت کیجیے۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے

- www.urdubookdownload.wordpress.com
- www.abulhasanalinadwi.org
- www.ijunoon.net
- www.learningurdu.com

حصّۂ نظم

انسان عام گفتگو اور تحریر میں جو زبان استعمال کرتا ہے وہ نثر کہلاتی ہے۔نظم ادبی اظہار کی زبان کے استعمال کی ایک صورت اور شاعری کی ایک قسم ہے۔نظم مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے جنھیں نظم کی ہیئت کہا جاتا ہے۔ ہیئت نظم میں مصرعوں کی تعداد اور قافیوں کی ترتیب سے اپنی پہچان بناتی ہے۔نظم کی واضح پہچان یہ بھی ہے کہ اس کا ایک عنوان ہوتا ہے جیسے اس حصے کی نظمیں حمد، ایکتا کی آواز، میرا سفر وغیرہ۔بعض نظمیں اپنے موضوعات سے بھی پہچانی جاتی ہیں جیسے غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی وغیرہ جن کے بارے میں آپ پڑھیں گے۔

۱ حمد

جگن ناتھ آزاد

پہلی بات : ہم اپنے سروں پر اونچا آسمان اور اس میں چمکتے ہوئے سورج، چاند، ستارے دیکھتے ہیں۔انھیں کس نے بنایا ہے؟ دن رات بدلتے ہیں۔گرمی، سردی اور بارش کے موسم آتے جاتے ہیں۔ زمانے کے ان موسموں کو کون بدلتا ہے؟ پھولوں کی مہک اور پھلوں کی مٹھاس کا ہم مزہ لیتے ہیں۔ پھولوں میں مہک اور پھلوں میں شیرینی کون پیدا کرتا ہے؟ پھولوں پر منڈلاتی تتلیاں ہمیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ان کے پروں میں رنگ کون بھرتا ہے؟ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ کس نے بنائے ہیں؟ دریاؤں میں آبِ رواں، آسمان سے برستی بارش اور سمندروں میں ہزاروں میل پھیلا ہوا پانی کس نے بنایا؟ یہ سارے کام انسان کے بس کے نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو پیدا کیا ہے اس لیے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی یہی تعریف حمد کہلاتی ہے۔ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی ذات پر یقین پختہ ہوجاتا ہے۔کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار اشیا کو دیکھ کر آدمی حیران ہوتا ہے اور اسی حیرانی میں بے ساختہ اس کی زبان اللہ کی تعریف کرنے لگتی ہے۔ذیل کی حمد میں شاعر حیرانی کے ساتھ قدرت کی نشانیوں میں خدا کے جلووں کو دیکھ رہا ہے۔

جان پہچان : جگن ناتھ آزاد دسمبر ۱۹۱۸ء میں غیر منقسم پنجاب کے شہر عیسیٰ خیل میں پیدا ہوئے۔ان کے والد تلوک چند محروم اُردو کے مشہور شاعر تھے۔جگن ناتھ آزاد نے فارسی ادب میں ایم۔اے کرنے کے بعد صحافی کی حیثیت سے اپنی خدمات کا آغاز کیا۔ تقسیمِ ہند کے بعد وہ ہندوستان چلے آئے اور ماہنامہ ’آجکل‘ کے نائب مدیر مقرر ہوئے۔سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد جموں یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ان کے تقریباً ۱۵ر شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں ’بیکراں، وطن میں اجنبی‘ اور ’ستاروں سے آگے‘ مشہور ہیں۔علامہ اقبالؔ کی حیات و خدمات پر تحقیقی اور تنقیدی کاموں کی وجہ سے آزاد کو اقبالیات کے ماہرین میں شمار کیا جاتا ہے۔’اقبالؔ اور مغربی فلسفہ‘ ان کی اہم کتاب ہے۔۲۴ر جولائی ۲۰۰۴ء کو جموں میں ان کا انتقال ہوا۔

رنگ و بو تک تجھے دیکھوں کہ خزاں تک دیکھوں
میں ترا حسن جو دیکھوں تو کہاں تک دیکھوں
اپنے ماحول میں دیکھوں کہ ستاروں سے اُدھر
تو ہی تو مجھ کو نظر آئے جہاں تک دیکھوں

موجِ دریا کی قسم ، بادِ بہاراں کی قسم — تیری رفتار کو اب اور کہاں تک دیکھوں
آج تک تجھ کو جو دیکھا تو یقیں تک دیکھا — اب تمنا ہے کہ میں تجھ کو گماں تک دیکھوں
صبح کا نور ، شفق شام کی ، ظلمت شب کی — میں ترے حسن کے سو رنگ کہاں تک دیکھوں
دل کی دنیا میں تو مَیں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا — اب ترا حکم جہاں تک ہو وہاں تک دیکھوں

کیوں نہ قربانِ تصوّر ہوں میں آزادؔ کہ آج
نور ہی نور نظر آئے جہاں تک دیکھوں

خلاصہ : اس نظم میں شاعر نے خدا کی تعریف کرتے ہوئے کائنات میں بکھری ہوئی اس کی نشانیوں پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ خدا کی قدرت صرف رنگوں اور نکہتوں کے موسم بہار ہی میں نمایاں نہیں ہے بلکہ خزاں میں بھی خدا کی کاریگری جلوہ گر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ خدا کا حسن اس کے آس پاس کے ماحول میں بھی ہے اور ستاروں سے آگے بھی ہے۔ شاعر کو ہر جگہ خدا کی قدرت اور حسن کا جلوہ نظر آتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے خدا! میں تجھے کہاں کہاں دیکھوں! دریاؤں کی موجیں، بہار کے موسم کی فرحت بخش ہوائیں، صبح کی روشنی، رات کا اندھیرا، شام میں نظر آنے والے شفق کے دلکش نظارے گویا تیرا حسن ہر رنگ میں بکھرا ہوا ہے۔ شاعر نے خدا کو اپنے یقین کے مطابق دیکھا ہے اور وہ چاہتا ہے اب اسے گماں تک دیکھے یعنی اس کی قدرت اور حکمت تو انسان کے گمان سے باہر ہے۔ گویا شاعر خدا کو اس کی عظمت کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے۔ شاعر نے خدا کو اپنے دل کی دنیا میں دیکھا لیکن اب وہ اسے وہاں تک دیکھنا چاہتا ہے جہاں تک خدا کا حکم چلتا ہے اور خدا کا حکم کائنات کے ہر ذرّے پر چلتا ہے۔ شاعر خدا کی عظمت کے اس تصوّر پر قربان ہو جانا چاہتا ہے جس کے سبب اسے کائنات کے ہر ذرّے میں خدا کی کاریگری اور حسن دِکھائی دیتا ہے۔

معانی و اشارات

اقبالیات	–	علاّمہ اقبالؔ کے کلام کی افہام و تفہیم
رنگ و بو	–	مراد بہار کا موسم
بادِ بہاراں	–	موسمِ بہار کی ہوا
یقیں تک دیکھا	–	مراد کائنات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کیا
گماں تک دیکھوں	–	شاعر چاہتا ہے کہ اپنے فکر و خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرے
حسن کے سو رنگ	–	اللہ کی قدرت کے جلوے
دل کی دنیا	–	مراد فکر، خیال، جذبہ، احساس

مشق

* 'جان پہچان' کی مدد سے شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

جگن ناتھ آزادؔ

تاریخِ پیدائش ....
تاریخِ وفات ....
مقامِ پیدائش ....
مقامِ وفات ....

ا۔ حمد کی تعریف لکھیے۔
۲۔ اپنے ماحول اور ستاروں سے ادھر خدا کی جلوہ نمائی کی کیفیت بیان کیجیے۔
۳۔ دریا کی موجوں اور بہار کی ہواؤں میں موجود نشانیوں کو واضح کیجیے۔

۴۔ حمد کے حوالے سے خدا کے حسن کے سورنگ پر روشنی ڈالیے۔

* حمد کے ایسے اشعار تلاش کیجیے جن سے ذیل کے مفہوم ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔ خدا کی قدرت رنگوں اور نکہتوں کے موسمِ بہار ہی میں نمایاں نہیں ہے بلکہ خزاں میں بھی خدا کی کاریگری جلوہ گر ہے۔

۲۔ شاعر خدا کی عظمت کے اس تصور پر قربان ہوجانا چاہتا ہے جس کے سبب اسے کائنات کے ہر ذرّے میں خدا کی کاریگری اور حسن دِکھائی دیتا ہے۔

* حمد سے 'صنعتِ تضادٗ' کا شعر لکھیے۔

* اس حمد میں رنگ و بو اور خزاں جیسی متضاد کیفیات کا ذکر ہوا ہے۔ آپ ان تمام کو اپنی بیاض میں جدول بنا کر لکھیے۔ جیسے صبح × شام

* موجِ دریا کی قسم ، بادِ بہاراں کی قسم
تری رفتار کو اب اور کہاں تک دیکھوں

اس شعر میں دریا کی موج کے لیے 'موجِ دریا' اور بہار کی ہوا کو 'بادِ بہار' لکھا گیا ہے۔ اسے قواعد میں لفظی ترکیب کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو لفظی ترکیبوں میں تبدیل کیجیے۔

صبح کا نور، شام کی شفق ، شب کی ظلمت ، دریا کی روانی ، تصوّر کے قربان

* درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے :

۱۔ آج تک تجھ کو جو دیکھا تو یقیں تک دیکھا
اب تمنا ہے کہ میں تجھ کو گماں تک دیکھوں

۲۔ دل کی دنیا میں تو مَیں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا
اب ترا حکم جہاں تک ہو وہاں تک دیکھوں

* اس نظم کو تمام طلبہ مل کر ترنم سے پڑھیں۔

* اُردو کے پانچ نظم نگاروں کی پانچ پانچ مشہور نظموں کے عنوانات لکھیے۔

* ذیل میں میر حسنؔ کی مثنوی کے مختلف اشعار دیے گئے ہیں۔ ان میں ہر شعر حمد، مناجات، نعت اور منقبت جیسی شعری صنف سے تعلق رکھتا ہے۔ ان اشعار کو بغور پڑھ کر ان کے آگے صنف کا نام لکھیے۔

۱۔ الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں
گناہوں میں اپنے گراں بار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار ....
کہ تو ہے کریم اور آمرزگار

۲۔ نبیؐ و علیؓ ، فاطمہؓ اور حسنؓ
حسین ابنِ حیدرؓ یہ ہیں پنجتن
ہوا یاں سے ظاہر کمالِ رسولؐ ....
کہ بہتر ہوئی سب سے آلِ رسولؐ

۳۔ نبی کون یعنی رسولِ کریمؐ
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
کیا حق نے نبیوں کا سردار اسے ....
بنایا نبوت کا حق دار اسے

۴۔ وہی مالک الملک دنیا و دیں
ہے قبضے میں اس کے زماں و زمیں
وہ معبودِ یکتا خدائے جہاں ....
کہ جس نے کیا کُن میں کون و مکاں

انٹرنیٹ کی دنیا سے

- www.lexilogos.com
- www.takhliqat.com
- www.iqbalcyberlibrary.net
- www.deedahwar.net
- www.urdufun.com
- www.poshmaal.com
- www.pirzadaqasim.4t.com

۲ داتا، دے دے گیان

میراجی

پہلی بات : حمد، مناجات اور دعا کی صورتوں میں آپ گزشتہ جماعتوں میں بہت سی نظمیں پڑھ چکے ہیں۔اس گیت میں داتا یعنی زندگی دینے والے خدا سے شاعر زندگی کی حقیقت کو جاننے کی دعا مانگ رہا ہے۔آپ نے سنا ہوگا: "زندگی ایک پہیلی ہے۔" دنیا کے بڑے عالموں اور فلسفیوں نے زندگی کی حقیقت کو اپنے اپنے طریقے سے بیان کیا ہے مگر ایک عام انسان زندگی کو سمجھ ہی نہیں پاتا۔کیا زندگی ہر زمانے میں روپ بدل لیتی ہے؟ ذیل کے گیت میں انھی باتوں کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان : میراجی کا اصل نام محمد ثناء اللہ ثانی ڈار تھا۔وہ ۲۵ رمئی ۱۹۱۲ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔گھریلو حالات ایسے تھے کہ وہ میٹرک تک بھی تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن ان کا مطالعے کا شوق دیوانگی کی حد تک بڑھا ہوا تھا۔انھوں نے کئی ناموں سے شاعری کی اور آل انڈیا ریڈیو (دہلی) میں ملازمت بھی کی۔اپنے زمانے کے اہم ادبی رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔دہلی سے وہ ممبئی آئے اور فلمی دنیا میں گیت، کہانیاں اور مکالمے لکھنے لگے۔اُردو شاعری میں میراجی کی آواز سب سے منفرد سنائی دیتی ہے۔ان کی نظموں، گیتوں اور غزلوں پر ہندوستانی ثقافت کے گہرے نقوش نظر آتے ہیں۔اگرچہ انھوں نے بہت کم عمر پائی لیکن اس کم عمری میں انھوں نے شاعری، نثر اور ترجمے کے میدانوں میں اعلیٰ درجے کا ادب پیش کیا۔شاعری میں آزاد نظم اور گیت ان کے کارنامے ہیں۔'مشرق ومغرب کے نغمے' کے نام سے انھوں نے دنیا بھر کے اہم ادیبوں اور ان کے کاموں پر مضامین لکھے اور ترجمے کیے ہیں۔'میراجی کے گیت، میراجی کی نظمیں، گیت ہی گیت' وغیرہ ان کی اہم کتابیں ہیں۔صرف سینتیس سال کی عمر میں ۲ رنومبر ۱۹۴۹ء کو میراجی کا ممبئی میں انتقال ہوا۔

گیت شاعری کی ایک صنف ہے جو ہندی سے اُردو میں داخل ہوئی۔گیت کا موسیقی سے بہت گہرا رشتہ ہے۔گیت میں جذبات اور احساسات کو سلیس، نرم اور شیریں الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔اُردو میں گیت کی روایت امیر خسرو سے منسوب کی جاتی ہے۔عموماً گیت کا موضوع عشق و محبت ہوتا ہے جس میں جدائی کی تڑپ اور ملن کی خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ مناظرِ فطرت، مختلف تہواروں اور حب الوطنی کے موضوعات پر بھی گیت لکھے گئے ہیں۔ہندی میں میرا بائی اور کبیر کے گیت بہت مشہور ہیں۔اُردو میں ابراہیم عادل شاہ ثانی، قلی قطب شاہ اور وجہی سے لے کر عظمت اللہ خاں، آرزو لکھنوی، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی، میراجی، ندا فاضلی اور بیکل اُتساہی نے گیت کی صنف میں اہم اضافے کیے ہیں۔

داتا ، دے دے گیان
ہمارا من مورکھ ، نادان
جیون کام کی بہتی دھارا جیون دھیان کا روپ ہے نیارا
اس کی کیا پہچان
ہمارا من مورکھ ، نادان
جیوَن کی گنگا ہے گہری رنگ کئی ہیں ، بات اکہری

6RZLHL

دیکھ کے دل حیران
ہمارا من مورکھ ، نادان
جب بھی مدھر بین کوئی بولے بے بس دل سنتے ہی ڈولے
بھید کا کس کو گیان
ہمارا من مورکھ ، نادان
ناچ گیت اک رات کے ساتھی سب ہیں سکھ کی بات کے ساتھی
سنگت کے سامان
ہمارا من مورکھ ، نادان
گیان دھیان کی راہ نہ سؤجھے ایک پہیلی ، کیسے بؤجھے
بؤجھ بؤجھ ہلکان
ہمارا من مورکھ ، نادان

خلاصہ : شاعر خدا سے کہہ رہا ہے کہ میں نادان ہوں، مجھے علم کی دولت عطا کر۔ میں زندگی کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ یہ زندگی روپ بدل بدل کر سامنے آتی ہے اس لیے ہر روپ میں اسے پہچاننا آسان نہیں۔ زندگی بظاہرا کہری ہے لیکن یہ گنگا کی طرح گہری ہے۔ اس کی سطح پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ اس کی تہہ میں نہیں۔ دل زندگی کی ہر میٹھی دھن سن کر خوش ہوجاتا ہے مگر اس کے راز کو نہیں پا سکتا۔ زندگی کی خوشیاں سب سُکھ کی ساتھی ہیں۔ یہ زندگی کی پہیلی کو نہیں سُلجھا پاتے۔

معانی و اشارات

داتا	-	دینے والا مراد اللہ تعالیٰ	دھیان	-	غور وفکر، اللہ کی یاد میں محویت
گیان	-	علم	مدھر	-	میٹھا
مورکھ	-	بے عقل، بے وقوف، سیدھا سادہ	سنگت	-	ساز بجاتے وقت بجانے والوں کا ساتھ
کام	-	خواہش	ہلکان	-	پریشان، تھکا ہوا

مشق

* **ذیل کی سرگرمیاں ایک جملے میں مکمل کیجیے۔**
۱۔ شاعر کے پریشان ہونے کی وجہ لکھیے۔
۲۔ نظم سے ہم معنی الفاظ کی جوڑی تلاش کر کے لکھیے۔
۳۔ صحیح متبادل لکھیے۔

* یہ نظم ایک .... گیت ہے۔
(الف) حمدیہ (ب) منقبتی (ج) مناجاتی (د) دعائیہ

* **ذیل کے لیے ہم معنی الفاظ نظم سے تلاش کر کے لکھیے۔**
لہر ، ساتھی ، پریشان ، غور وفکر

* **ذیل کی سرگرمیاں اختصار کے ساتھ مکمل کیجیے۔**
۱۔ نظم میں زندگی کے لیے استعمال ہونے والا لفظ لکھیے۔

۲۔ 'زندگی ایک ہے لیکن اس کے بہت سے روپ ہیں'
اس مفہوم کے بند کو نقل کیجیے۔

۳۔ گیان، نادان جیسے دوسرے قافیے گیت سے تلاش کر کے لکھیے۔

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

میراجی کی شخصیت

جائے پیدائش	نام	کتاب	جائے وفات
....	....	....	....

* اُردو میں گیت لکھنے والے چار شاعروں کا نام لکھیے۔
* گیت کے موضوع کی وضاحت کیجیے۔
* گیت میں آئے ہوئے قافیوں کی جوڑیاں بنائیے۔
* 'ناچ گیت اک رات کے ساتھی/ سب ہیں سکھ کی بات کے ساتھی' اس شعر میں آئے ہوئے قافیے پہچانیے۔
* درج ذیل مثال کے مطابق دو کالم بنا کر ہندی لفظوں کے سامنے ان کے معنی لکھیے:

مثال -

ہندی	اُردو
ناچ	رقص

بے وقوف ، گیان ، شکل ، جیون ، علم ،
مورکھ ، روپ ، بھید ، زندگی ، من ، راز ، دل

برسبیلِ تذکرہ

دعا

دعا اللہ تعالیٰ کے آگے نہایت بے چارگی کی حالت میں ہاتھ پھیلا کر مدد کا طالب ہونا ہے۔ آدمی اللہ کی بندگی کر کے اپنے بندہ ہونے کا عملاً اقرار کرتا ہے۔ اسے جب بھی مشکلیں درپیش آتی ہیں، وہ نہایت آہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اپنے رب سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم میں دعا مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ سورۃ الاعراف میں کہا گیا ہے، "اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔" دوسری جگہ سورۃ المومن میں فرمایا گیا، "مجھے پکارو میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔"

دعا کی اس اہمیت کے پیش نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، "اے بندگانِ خدا! تم ضرور دعا مانگا کرو۔" دوسری جگہ آپؐ کا ارشاد ہے، "تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت خدا سے مانگنا چاہیے۔" آپؐ نے اپنی اُمت کو اس طرح بھی متنبہ کیا، "جو اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔" کبھی آپؐ نے فرمایا، "دعا عین عبادت ہے۔" تو کبھی فرمایا، "دعا عبادت کا مغز ہے۔"

اس لیے بندے کو چاہیے کہ اللہ کے حضور میں اپنی ضرورتوں کو رفع کرنے کے لیے دعا مانگا کرے کہ یہی عمل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف اور بندے کی عاجزی کا اقرار ہے۔

* درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ دعا کی تعریف بیان کیجیے۔
۲۔ دعا مانگنے کا طریقہ لکھیے۔
۳۔ سورۃ الاعراف میں دعا کے بارے میں جو کہا گیا ہے، اسے لکھیے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں پر غضبناک ہوتا ہے، ان کے بارے میں لکھیے۔
۵۔ دعا کے بارے میں حضرت محمدؐ کے دو قول نقل کیجیے۔
۶۔ دعا کے ذریعے ہم جو اعتراف کرتے ہیں، اسے لکھیے۔

* خالی جگہ پُر کیجیے۔

۱۔ آدمی اللہ کی بندگی کر کے اپنے .... ہونے کا عملاً اقرار کرتا ہے۔
۲۔ دعا کی اس اہمیت کے پیشِ نظر حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو دعا مانگنے کی .... دی ہے۔
۳۔ ''اے ....! تم ضرور دعا مانگا کرو۔''
۴۔ آپؐ نے اپنی .... کو اس طرح متنبہ کیا ہے۔
۵۔ دعا .... کا مغز ہے۔

۳ بارش کی مذمّت میں

میر تقی میرؔ

پہلی بات : کہانی کہنے سننے کا رواج دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا ہے۔کہانی کہنے والا کبھی عام بول چال میں واقعات بیان کرتا ہے اور اگر وہ شاعر ہوا تو اپنی کہانی کو نظم کے روپ میں بھی سناتا ہے۔اُردو شاعری میں یہ نظم مقفّی اشعار کا مجموعہ ہوتی ہے۔اکثر اس نظم کے ہر شعر میں قافیے بدلتے رہتے ہیں۔چونکہ شعر دو مصرعوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لیے کہانی بیان کرنے والی ایسی نظم کو **مثنوی** کہتے ہیں یعنی دو دو مصرعوں کے اشعار میں کسی مسلسل واقعے کا بیان۔گزشتہ جماعتوں میں آپ نے شہزادہ بےنظیر اور گل بکاولی کی کہانیوں پر مشتمل مشہور مثنویوں، سحر البیان اور گلزارِ نسیم کے چند واقعات پڑھے ہیں۔مثنویوں میں شاعر اپنے حالات، اپنے شہر کے حالات، اخلاقی نصیحت اور معاشرے کے خاص افراد کی عادات بھی بیان کرتے ہیں۔ذیل کی مثنوی میں شاعر نے ایک مرتبہ بہت زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے اپنے گھر، گلی محلے اور شہر کی خرابی کے حالات بیان کیے ہیں۔

> **میں یہاں بھی ہوں...**
>
> آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی

جان پہچان : میر تقی میرؔ ۱۷۲۳ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوجانے کی وجہ سے انھیں معاش کی تلاش میں دہلی جانا پڑا۔یہاں وہ اپنے ماموں سراج الدین علی خاں آرزو کے ہاں رہے۔آرزو بڑے عالم و فاضل تھے۔میرؔ نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔جب افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں دہلی پر حملہ کرکے اسے تباہ کردیا تو دہلی کے بہت سے لوگ دوسرے علاقوں میں جا کر رہنے لگے۔میرؔ بھی دہلی سے لکھنؤ آ بسے اور نواب آصف الدولہ کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔یہیں ۱۸۱۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔

اُردو کے چار بڑے شعرا میں میرؔ کا شمار کیا جاتا ہے۔انھوں نے غزلوں کے چھے دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔مرثیے، مثنویاں، قطعات اور رباعیات ان کی شاعری کا عظیم اثاثہ ہیں جن کے سبب انھیں 'خدائے سخن' کہا جاتا ہے۔فارسی نثر میں میرؔ نے اپنی سوانح 'ذکرِ میرؔ' اور شعرا کا تذکرہ 'نکات الشعراء' جیسی اہم کتابیں تصنیف کی ہیں۔ذیل کی مثنوی میں میرؔ نے زیادہ بارش سے ہونے والے نقصانات کو شاعرانہ طرز سے بیان کیا ہے۔زبان کی سادگی، جذبات کی شدت اور ماحول کی تصویرکشی اس مثنوی کے اشعار کی خصوصیت ہے۔

کیا کہوں اب کی کیسی ہے برسات — جوشِ باراں سے بہہ گئی ہے بات
بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال — چرخ گویا ہے آب در غربال
ماہ و خورشید اب نکلتے نہیں — تارے ڈوبے ہوئے اُچھلتے نہیں
چرخ تک ہوگیا ہے پانی جو — ماہ و ماہی ہیں ایک جا ہر دو
ابر کس کس سیاہ مستی سے — ہوتے جاہیں بلند پستی سے
ابر کرتا ہے قطرہ افشانی — پانی پانی رہے ہے بارانی
عقل، مینھوں نے سب کی، کھوئی ہے — بات باراں نے یاں ڈبوئی ہے
بیٹھے اُٹھتے نہیں ہیں بام و در — یہ خرابی ہے شہر کے اندر
جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں — یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے ایک عالم غریقِ رحمت ہے
لے گئے ہیں جہاں کو سیلاب نقشہ عالم کا ، نقش تھا برآب
نہ ہے جلسہ ، نہ ربطِ یاراں ہے شہر میں ہے تو باد و باراں ہے
بڑی بوندوں کی چوٹ سے ڈریے سنگ باراں جہاں ہو واں مریے
وسعتِ آب ، پوچھ مت کچھ یار کوچے موجوں کے ہوگئے بازار
تر ہیں جو خشک اور تروں میں ہیں جانیں اک سڑتی گھروں میں ہیں
ہے زراعت جو پانی نے ماری ہوگئی آبِ خست ترکاری
سیل دیکھے ہیں کوہساراں کے لیے کشتی گدا ہیں باراں کے
جزر و مد ، جس کا تا فلک جا ہے جو ہے تالاب قہرِ دریا ہے
ہر طرف ہیں نظر میں ابر سیاہ پانی ہے جس طرف کو کریے نگاہ
خضر کیوں کر کے زیست کرتا ہے آبِ حیواں میں پانی مرتا ہے

لکھے کیا میرؔ مینہ کی طغیانی
ہوگئی ہے سیاہی بھی پانی

خلاصہ : شاعر کہتا ہے کہ لگاتار بارش کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے گویا آسمان ایک چھلنی بن گیا ہے جس میں پانی تھمتا ہی نہیں۔ اس تیز بارش میں چاند نکلتا ہے نہ سورج نہ ستارے۔ گھنیرے بادل اوپر اُٹھ کر ہر طرف چھا رہے ہیں۔ بارش کی زیادتی کے سبب لوگ سوجھ بوجھ کھو بیٹھے ہیں۔ شہر میں چھتیں اور گھر ڈھے رہے ہیں۔ چھوٹی ندیاں اور پرنالے دریا کی طرح بہہ رہے ہیں۔ بارش رحمت کی بجائے زحمت بن گئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، پوری دنیا بارش میں ڈوب گئی ہے۔ نہ مجلسیں ہیں نہ دوستوں سے کوئی رابطہ ہے۔ بارش کی زیادتی سے کھیتیاں بھی برباد ہوگئی ہیں۔ جس طرف دیکھیے پانی ہی پانی ہے۔

معانی واشارات

مذمت	برائی
جوشِ باراں	بارش کی زیادتی
چرخ	آسمان
آب در غربال	چھلنی میں پانی (چھلنی میں پانی نہیں ٹھہرتا، اسی مناسبت سے مراد بے فائدہ کوشش)
ماہ	چاند (مراد بلندی)
ماہی	مچھلی (مراد پستی)
کس کس	کیسی کیسی
سیاہ مستی	نشے کی حالت، مستی
جاہیں	جائیں
قطرہ افشانی	بوندیں ٹپکانا
پانی پانی رہنا	پانی کی زیادتی ہونا
بارانی	بارش پر انحصار کرنے والا علاقہ، بہت کم بارش کا علاقہ
عقل کھونا	عقل ختم ہونا، عقل ماردینا
بات ڈبونا	بات یا وعدہ پورا نہ کرنا

6S9HJ9

مینھوں - مینہ کی جمع، بارشیں
پرنالے - چھتوں سے پانی بہنے کی نالیاں
زحمت - مصیبت، رحمت کی ضد
غریقِ رحمت - رحمت میں ڈوبا ہوا (طنزاً برباد)
نقش برآب - پانی پر بنی ہوئی تصویر (جو نہیں بنتی یا فوراً مٹ جاتی ہے)
ربطِ یاراں - دوستوں کی محفل

سنگِ باراں - پتھروں کی بارش مراد بڑی مصیبت
وسعتِ آب - پانی کا پھیلاؤ
مارنا - برباد کر دینا
آب خستہ ہونا - پانی کی وجہ سے خراب ہو جانا
زیست کرنا - زندگی گزارنا
آبِ حیواں - آبِ حیات (پانی جسے پی کر موت نہیں آتی)

مشق

* نظم کے کون کون سے اشعار سے درج ذیل مفہوم واضح ہوتے ہیں؟ وہ اشعار لکھیے۔

۱۔ لگاتار بارش کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے گویا آسمان چھلنی بن گیا ہے۔
۲۔ تیز بارش میں چاند نکلتا ہے نہ سورج، نہ ستارے۔ گھنیرے بادل اوپر اُٹھ کر ہر طرف چھا رہے ہیں۔
۳۔ بارش کی زیادتی کے سبب لوگ سوجھ بوجھ کھو بیٹھے ہیں۔
۴۔ شہر میں چھتیں اور گھر ڈھے رہے ہیں۔
۵۔ پرنالے دریا کی طرح بہہ رہے ہیں۔
۶۔ بارش رحمت کی بجائے زحمت بن گئی ہے۔
۷۔ پوری دنیا بارش میں ڈوب گئی ہے۔ نہ مجلسیں ہیں، نہ دوستوں سے کوئی رابطہ۔
۸۔ بارش کی زیادتی سے کھیتیاں برباد ہو گئی ہیں۔ جس طرف دیکھیے پانی ہی پانی ہے۔

* نظم سے ایسے اشعار لکھیے جن میں محاورے آئے ہیں۔
* نظم کے حوالے سے بارش کے نقصانات شبکی خاکے کی مدد سے لکھیے۔

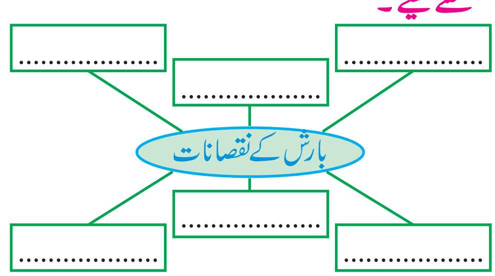

* شعر پڑھ کر صنعت کا نام لکھیے۔

۱۔ کیا کہوں اب کی کیسی ہے برسات
جوشِ باراں سے بہہ گئی ہے بات

۲۔ ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے
ایک عالم غریقِ رحمت ہے

* نظم سے تلمیح کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔
* دیے ہوئے الفاظ کے لیے نظم میں آئے ہوئے لفظ لکھیے۔

بارش، سورج، چاند، آسمان، پانی، تکلیف، آرام، زندگی

* ذیل کے مصرعوں میں خط کشیدہ لفظوں کے مفہوم کو واضح کیجیے:

۱۔ تارے <u>ڈوبے ہوئے</u> اُچھلتے نہیں
۲۔ <u>بات</u> باراں نے یاں <u>ڈبوئی</u> ہے
۳۔ <u>بیٹھے اُٹھتے نہیں</u> ہیں بام و در
۴۔ <u>جانیں</u> اک <u>سوکھتی</u> گھروں میں ہیں
۵۔ ہے <u>زراعت</u> جو پانی نے ماری

* نظم سے یکساں آواز والے الفاظ کی جوڑیاں بنائیے۔
* چوکون میں دیے ہوئے حروف کی مدد سے نظم میں آئے ہوئے قافیوں کو لکھیے۔

غ	ب	ا	ل	ن	ب
ط	ر	ن	م	گ	ا
ی	ا	ب	ع	ا	ز
ا	س	ی	ا	ہ	ا
ر	م	س	ا	ل	ر

* اس مثنوی میں دو مصرعے خاص توجہ کے لائق ہیں:

۱۔ کیا کہوں، اب کی کیسی ہے برسات

۲۔ بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال

یہاں 'اب کی' اور 'اب کے' اُردو زبان کے روزمرہ میں اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلی مثال میں یہ دراصل 'اب کی برسات' اور دوسری مثال میں 'اب کے سال' کے فقرے ہیں۔ یہاں لفظ 'برسات' مؤنث ہونے کی وجہ سے اس کے لیے حرفِ اضافت 'کی' استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ 'سال' مذکر ہے اس لیے اس کے ساتھ حرفِ اضافت 'کے' لایا گیا ہے۔

* اس نظم میں شاعر نے بارش سے پیدا ہونے والے مسائل کا ذکر کیا ہے۔ سکے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بارش کا موسم کئی اعتبار سے مفید بھی ہے۔ اپنے چند دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر بارش سے ہونے والے فوائد کا تذکرہ کیجیے۔

مبالغہ

ذیل کا شعر پڑھ کر اس پر غور کیجیے۔

کیا کہوں ، اب کی کیسی ہے برسات
جوش باراں سے بہہ گئی ہے بات

شاعر بارش کی شدت کو بیان کر رہا ہے کہ اب کے سال اتنی شدید بارش ہوئی کہ اس کے جوش اور زور سے بات بھی بہہ گئی۔ 'بات کا بہنا' ایک محال بات ہے مگر شاعر نے اسے بھی بارش کے طوفان میں بہا دیا۔ شعر میں جب ایسی کوئی بات کہی جائے کہ اس کا واقع ہونا حقیقت سے پرے ہو تو اس صنعت کو مبالغہ کہا جاتا ہے۔

مبالغے کی دوسری مثالیں:

کہنے پڑے قصیدے کئی جس کی چال پر
کچھوا ہے وہ چڑھائی پہ، ہرنی ہے ڈھال پر
مرغی کی طرح ڈھول پروں سے اُڑائے ہے
سو بار دن میں چیل کے رَستے دِکھائے ہے

* میرؔ کی مثنوی میں مبالغے کے ایسے کئی شعر ہیں، انھیں تلاش کر کے لکھیے۔

تشبیہ

بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال
چرخ گویا ہے آب در غربال

اوپر کے شعر میں شاعر نے چرخ یعنی آسمان کو غربال یعنی چھلنی کی طرح بتایا ہے۔ بارش کی بوندیں ایسی ٹپک رہی ہیں گویا چھلنی سے پانی ٹپکتا ہے۔ شعر میں آنے والا لفظ 'گویا' چرخ اور غربال کو باہم جوڑ رہا ہے۔ شاعری میں اس طرح ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح بتانے کی صنعت 'تشبیہ' کہلاتی ہے۔ دوسری مثالیں: چاند سا چہرہ، پتھر جیسا دل، پھول جیسے ہونٹ وغیرہ۔

جس چیز کو تشبیہ دی جائے اسے 'مشبہ' اور جس چیز سے تشبیہ دی جائے اسے 'مشبہ بہٖ' کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ایک جیسا بتانے والے الفاظ (گویا، جیسے، طرح، سا، مثال، مانند، صورت وغیرہ) 'حروفِ تشبیہ' کہلاتے ہیں۔ درج بالا مثالوں میں چرخ، چہرہ، دل، ہونٹ مشبہ ہیں اور غربال، چاند، پتھر مشبہ بہٖ ہیں اور گویا، سا، جیسا، جیسے حروفِ تشبیہ ہیں۔

تشبیہ کی دوسری مثالیں:

جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں
یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

کلیوں کی طرح سے کھلتی ہوئی
پھولوں کی طرح سے ہنستی ہوئی
ساری شکلیں کھو جائیں گی

زمرد کی مانند سبزے کا رنگ
روش کا جواہر ہوا جس سے سنگ

* ذیل کے شعر میں تشبیہ کے عوامل بتائیے۔

کیوں ٹمٹماتے کرمکِ شب تاب کی طرح
چرخ گویا ہے آب در غربال

۴

میرا سفر

علی سرؔدار جعفری

پہلی بات : زندگی کسی نہ کسی شکل میں زمین پر باقی رہتی ہے۔ بیج زمین پر گرتا اور اس سے ایک درخت پیدا ہو جاتا ہے۔ اس درخت میں شاخیں پھوٹتی ہیں، پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ انھی پھلوں کے بیج دوبارہ زمین میں دب کر نئے پودوں اور درختوں میں بدل جاتے ہیں۔ ذیل کی نظم میں اسی تصور کو شاعرانہ ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : ترقی پسند شاعر علی سرؔدار جعفری ۲۹ رنومبر ۱۹۱۳ء کو بلرام پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دہلی، لکھنؤ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی اور اُردو، فارسی اور انگریزی ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ اپنے زمانے کی مشہور ترقی پسند ادبی تحریک کے علمبرداروں میں سے تھے۔ انھوں نے کئی رسالوں اور اخباروں میں کام کیا اور ممبئی سے 'گفتگو' نامی ایک ادبی رسالہ بھی جاری کیا۔ سردار جعفری نے ابتدا میں افسانے لکھے مگر پھر وہ شاعری کے میدان میں آ گئے۔ 'پتھر کی دیوار، ایک خواب اور، پیراہنِ شرر' اور 'لہو پکارتا ہے' ان کی شاعری کے اہم مجموعے ہیں۔ وہ اچھے نثر نگار بھی تھے۔ 'ترقی پسند ادب، لکھنؤ کی پانچ راتیں، پیغمبرانِ سخن، اقبال شناسی' وغیرہ اُردو نثر میں ان کے مضامین پر مشتمل کتابیں ہیں۔ اپنی ادبی اور سماجی خدمات کے عوض انھیں 'گیان پیٹھ ایوارڈ، اقبال سمان اور پدم شری' جیسے اعزازات سے نوازا گیا۔ یکم اگست ۲۰۰۰ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

پھر اک دن ایسا آئے گا
اک کالے سمندر کی تہہ میں
کلیوں کی طرح سے کھلتی ہوئی
پھولوں کی طرح سے ہنستی ہوئی
ساری شکلیں کھو جائیں گی
سب راگنیاں سو جائیں گی
بے جانے ہوئے، بے سمجھے ہوئے
ہر چیز بھلا دی جائے گی
یادوں کے حسیں بُت خانے سے
ہر چیز اُٹھا دی جائے گی
لیکن میں یہاں پھر آؤں گا
بچوں کے دہن سے بولوں گا
چڑیوں کی زباں سے گاؤں گا

6SIDKH

جب بیج ہنسیں گے دھرتی میں
اور کونپلیں اپنی اُنگلی سے
مٹی کی تہوں کو چھیڑیں گی
میں پتّی پتّی ، کلی کلی
اپنی آنکھیں پھر کھولوں گا
سرسبز ہتھیلی پر لے کر
شبنم کے قطرے تولوں گا
سوکھے ہوئے پتوں سے میرے
ہنسنے کی صدائیں آئیں گی
دھرتی کی سنہری سب ندیاں
ہستی سے مری بھر جائیں گی
میں ایک گریزاں لمحہ ہوں
ایام کے افسوں خانے میں
میں ایک تڑپتا قطرہ ہوں
مصروفِ سفر جو رہتا ہے
ماضی کی صراحی کے دل سے
مُستقبل کے پیمانے میں
میں سوتا ہوں اور جاگتا ہوں
اور جاگ کے پھر سو جاتا ہوں
صدیوں کا پرانا کھیل ہوں میں
میں مر کے امر ہو جاتا ہوں

خلاصہ : یہ ایک استعاراتی نظم ہے۔ شاعر نے اس نظم میں مختلف استعاروں کے ذریعے زندگی کے سفر کو بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک دن ہر چیز موت کے اندھیرے میں گم ہو جائے گی۔ موت کے بعد ہر چیز کو بھلا دیا جائے گا مگر زمین پر زندگی ختم نہیں ہوگی۔ زمین پر بیج نمو پاتے رہیں گے، کلیاں کھلتی رہیں گی، ہرے بھرے پتوں پر شبنم گرتی رہے گی، پھول مسکراتے رہیں گے، بچے گیت گاتے رہیں گے، پرندے چہچہاتے رہیں گے، دریا بہتے رہیں گے کیونکہ زندگی کا قطرہ ماضی کی صراحی کی تہہ سے مستقبل کے پیمانے کی طرف سفر کرتا ہی رہے گا۔ جیسے کہ ایک بیج زمین سے اُگ کر نئے نئے پودے، پھول، پھل اُگاتا رہتا ہے۔

معانی واشارات

کالا سمندر	-	مراد موت
دہن	-	منہ
گریزاں	-	واپس جاتا ہوا
ایام کے افسوں خانے میں	-	مراد دنیا میں جہاں دن رات آتے جاتے ہیں
ایام	-	یوم کی جمع، دن
افسوں خانہ	-	جادو کا گھر
اَمَر	-	کبھی نہ مرنے والا

مشق

* سردار جعفری کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

* علی سردار جعفری شخصیت

جائے پیدائش	نام	پہچان	جائے وفات
....	....	....	....

* علی سردار جعفری کو ملے ہوئے انعامات

* علی سردار جعفری کی تخلیقات

شعری: ....

نثری: ....

* سبق کے حوالے سے سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ’کالے سمندر‘ سے شاعر کی مراد ہے ←

۲۔ ’کالے سمندر‘ میں ختم ہوجانے والی چیزیں ←

۳۔ نظم سے متضاد الفاظ کی دو جوڑیاں ←

۴۔ نظم سے ہم معنی الفاظ کی دو جوڑیاں ←

ذیل کی سرگرمیوں کو مختصراً مکمل کیجیے۔

* نظم ’میرا سفر‘ میں مذکور زمانہ حال کے بارے میں لکھیے۔
* ’صدیوں کے پرانے کھیل‘ کی وضاحت کیجیے۔
* اس نظم کے استعارے تلاش کر کے لکھیے۔
* درج ذیل لفظوں کے متضاد الفاظ نظم میں تلاش کیجیے:

ماضی، سفید، نیا، آکاش، مسجد، خار

* درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

میں سوتا ہوں اور جاگتا ہوں
اور جاگ کے پھر سو جاتا ہوں
صدیوں کا پرانا کھیل ہوں میں
میں مر کے امر ہوجاتا ہوں

* ’ایک پھول کی آپ بیتی‘ عنوان پر پندرہ سطروں کا مضمون لکھیے۔
* ہما اور رخ جیسے فرضی پرندوں کے بارے میں مشہور واقعات معلوم کرکے اپنے ہم جماعت ساتھیوں کو سنایئے۔

استعارہ

ذیل کے مصرعوں کو پڑھ کر ان پر غور کیجیے۔

ع : دل کی دنیا میں تو میں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا
ع : جیون کی گنگا ہے گہری
ع : یادوں کے حسیں بت خانے سے
ع : روشنی صبحِ وطن کی ہے کہ ماتم کا غبار

ان مصرعوں میں ’دل کی دنیا، جیون کی گنگا، یادوں کے حسیں بت خانے، ماتم کا غبار‘ کی اضافتیں آئی ہیں۔ ان میں دل کو دنیا، جیون کو گنگا، یادوں کو بت خانے اور ماتم کو غبار کہا گیا ہے۔ اگر دل کو دنیا جیسا، جیون کو گنگا کی طرح، یادوں کو بت خانے جیسا اور ماتم کو غبار کی مانند کہا جاتا تو اس میں ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح بتایا جاتا اور یہ تشبیہہ کہلاتے مگر یہاں حروفِ تشبیہہ (جیسا، طرح، مانند وغیرہ) استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔ ایک چیز کو دوسری چیز ہی کہہ دیا گیا ہے یعنی دل دنیا کی طرح نہیں بلکہ اپنے آپ دنیا ہی ہے۔ اس طرح حروفِ تشبیہہ کے بغیر ایک چیز کو دوسری چیز کہہ دینا **’استعارہ‘** کہلاتا ہے۔ اس میں مشبہ بہ اور مشبہ کو مستعار لہٗ اور مستعار منہٗ کہتے ہیں۔ اس طرح ایک چیز کو دوسری چیز کہنے کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے جو دو چیزوں کو ملاتی ہے۔

زندگی

تو اِسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں ، پیہم دواں ، ہر دم جواں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

۱۔ ’پیمانۂ امروز وفردا‘ کی وضاحت کیجیے۔
۲۔ کوہکن اور جوئے شیر کے متعلق مشہور واقعہ معلوم کر کے دس سطروں میں لکھیے۔
۳۔ جواں، گراں جیسے یکساں آواز والے الفاظ لکھیے۔
۴۔ دیے ہوئے شعروں میں سے وہ شعر لکھیے جو نظم ’میرا سفر‘ کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔
۵۔ اس نظم کے شاعر کا نام تلاش کر کے لکھیے۔

اشتہار کا نمونہ

انجمن فروغِ اُردو، مہاراشٹر اور
خدمتِ خلق آرگنائزیشن آف انڈیا کے زیرِ اہتمام

بتاریخ
۱۸ نومبر تا ۲۵ نومبر ۲۰۱۴ء
صبح ۹ بجے سے رات ۸ بجے تک

بمقام
مولانا آزاد میدان،
باغ چوک، غالب آباد

- شہر میں اب تک کا سب سے بڑا کتاب میلہ
- تاریخی، مذہبی، ادبی اور تفریحی کتابیں
- ادبِ اطفال پر کتابوں کا بہترین ذخیرہ
- ہر کتب فروش کی جانب سے خصوصی رعایت
- ملک بھر کے معتبر ناشرین اور کتب فروشوں کی شمولیت
- سوانح، مجموعۂ کلام، ناول، افسانے اور دیگر اصنافِ ادب کا نادر خزانہ
- اُردو زبان کے علاوہ دیگر زبان کی کتابیں بھی دستیاب
- ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں اس کتاب میلے کی اہم خصوصیت ہوں گی۔

رابطہ

الــــــف	ســـــیـــــن	جـــــیـــــم

۵ تلک کی موت پر

پنڈت برج نرائن چکبست

پہلی بات: مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کے رنج و غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اُردو میں عام طور پر حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی کربلا میں شہادت کے بیان پر کہی گئی نظم کو 'کربلائی مرثیہ' کہتے ہیں۔ کربلا کے شہیدوں کے علاوہ دیگر کسی شخص کی موت پر کہے جانے والے مرثیے کو 'شخصی مرثیہ' کہا جاتا ہے۔ اس کی کوئی خاص ہیئت (شکل) مخصوص نہیں۔ غالبؔ نے اپنے بھانجے عارفؔ کا، حالیؔ نے غالبؔ کا اور اقبالؔ نے داغؔ کا مرثیہ لکھا ہے۔ ذیل میں جنگِ آزادی کے ایک مشہور رہنما بال گنگا دھر تلک کا مرثیہ دیا جا رہا ہے جسے چکبستؔ نے لکھا ہے۔

جان پہچان: پنڈت برج نرائن کا تخلص چکبستؔ تھا۔ وہ ۱۹؍جنوری ۱۸۸۲ء کو فیض آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیشہ وکالت تھا۔ انھوں نے اپنی شاعری میں قوم و وطن کی محبت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ وہ نظم کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی تصوّرات کا رنگ ملتا ہے۔ 'آصف الدولہ کا امام باڑا، پھول مالا اور رامائن کا ایک سین' چکبستؔ کی مشہور نظمیں ہیں۔ 'کلیاتِ چکبستؔ' کے نام سے ان کی نظموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ۱۲؍فروری ۱۹۲۶ء کو بریلی اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ان کا انتقال ہوا۔

موت نے رات کے پردے میں کِیا کیسا وار   روشنی صبحِ وطن کی ہے کہ ماتم کا غبار
معرکہ سرد ہے ، سویا ہے وطن کا سردار   طنطنہ شیر کا باقی نہیں ، سُونی ہے کچھار
بے کسی چھائی ہے ، تقدیر پھری جاتی ہے
قوم کے ہاتھ سے تلوار گری جاتی ہے

اُٹھ گیا دولتِ ناموسِ وطن کا وارث   قومِ مرحوم کے اعزازِ کہن کا وارث
جاں نثارِ ازلی شیرِ دکن کا وارث   پیشواؤں کے گرجتے ہوئے رَن کا وارث
تھی سمائی ہوئی پونا کی بہار آنکھوں میں
آخری دور کا باقی تھا خمار آنکھوں میں

موت مہراشٹ کی تھی یا ترے مرنے کی خبر   مردنی چھا گئی ، انسان تو کیا پتھر پر
پتیاں جھک گئیں ، مرجھا گئے صحرا کے شجر   رہ گئے جوش میں بہتے ہوئے دریا تھم کر
سرد و شاداب ہَوا رُک گئی کہساروں کی
روشنی گھٹ گئی دو چار گھڑی تاروں کی

تھا نگہبانِ وطن دبدبۂ عام ترا   نہ ڈِگیں پاؤں ، یہ تھا قوم کو پیغام ترا
دل رقیبوں کے لرزتے تھے ، یہ تھا کام ترا   نیند سے چونک پڑے ، سن جو لیا نام ترا

یاد کرکے تجھے مظلومِ وطن روئیں گے
بندۂ رسمِ جفا چین سے اب سوئیں گے

اوجِ ہمت پہ رہا تیری وفا کا خورشید — موت کے خوف پہ غالب رہی خدمت کی اُمید
بن گیا قید کا فرمان بھی راحت کی نوید — ہوئے تاریکیِ زنداں میں ترے بال سپید

پھر رہا ہے مری نظروں میں سراپا ترا
آہ وہ قیدِ ستم اور بڑھاپا ترا

معجزہ اشکِ محبت کا دِکھایا تو نے — ایک قطرے سے یہ طوفان اُٹھایا تو نے
ملک کو ہستیِ بیدار بنایا تو نے — جذبۂ قوم کے جادو کو جگایا تو نے

اِک تڑپ آ گئی سوتے ہوئے ارمانوں میں
بجلیاں کوند گئیں قوم کے ویرانوں میں

خلاصہ : اس مرثیے میں چکبست نے مہاراشٹر کے ایک عظیم مصلح اور وطن کی آزادی کے متوالے بال گنگادھر تلک کی موت پر اپنے تاثرات کا بڑے عمدہ انداز میں اظہار کیا ہے۔ چکبست لکھتے ہیں کہ تلک نے ساری زندگی سماجی برائیوں اور آپسی اختلافات کو دور کرنے، عوام کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں گزاری۔ رات کے پردے میں موت نے جو وار کیا وہ صبح کی روشنی کو داغدار کر گیا۔ لوگ یہ محسوس کرنے لگے کہ اب شیر (تلک) کی جگہ لینے والا کوئی نہیں رہا۔ ہر طرف ویرانی اور مایوسی کا عالم ہے۔ ان کی موت کی وجہ سے قوم کے ہاتھ سے گویا تلوار گر گئی ہے۔ تلک ملک و قوم اور عہدِ ماضی کی شان و شوکت کے وارث ہی نہ تھے بلکہ وہ ہر اُس شخص کے وارث اور امین تھے جس نے انگریزوں سے جنگ کی اور آزادی کی لڑائی میں حصہ لیا۔ تلک، ٹیپو سلطان کی شجاعت اور بہادری سے بہت متاثر تھے اسی لیے چکبست نے انھیں 'جاں نثارِ ازلی شیرِ دکن کا وارث' کہا ہے۔ انگریزوں کے ظلم وستم سے مراٹھا پیشوا بھی ناراض تھے اس لیے شاعر نے تلک کو پیشواؤں کا بھی وارث کہا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ تلک کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود انگریزوں نے انھیں قید کر دیا تھا۔ ان کے انتقال کی خبر سے سارے مہاراشٹر میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ انھیں ہمیشہ پرنم آنکھوں سے یاد کریں گے۔

معانی و اشارات

- **معرکہ** - جنگ
- **طنطنہ** - رعب، شان و شوکت
- **کچھار** - شیر کا غار
- **دولتِ ناموسِ وطن** - وطن کی عزت کی دولت
- **قومِ مرحوم** - مردہ قوم (انگریزوں کی غلامی میں ہونے کی وجہ سے شاعر نے قوم کو مردہ قرار دیا ہے)
- **اعزازِ کہن** - پرانی عظمت
- **جاں نثارِ ازلی شیر دکن** - ہمیشہ اپنے وطن پر جان نثار کرنے کے لیے تیار رہنے والا مراد ٹیپو سلطان
- **رَن** - جنگ
- **مہاراشٹ** - مہاراشٹر
- **دبدبہ** - رعب
- **خمار** - نشہ
- **ڈِگنا** - جگہ سے ہٹنا
- **بندۂ رسمِ جفا** - ظلم کرنے والے مراد انگریز
- **اوجِ ہمت** - ہمت کی بلندی
- **نوید** - خوش خبری
- **رقیب** - دشمن

6SS9MJ

مشق

* صنف 'مرثیہ' کے حوالے سے خاکے کو مکمل کیجیے۔

غالبؔ	حالیؔ	اقبالؔ	چکبستؔ
↓	↓	↓	↓
....	....	....	....

* مرثیہ کی تعریف لکھیے۔
* ذیل کے بیان سے متعلق موزوں شعر لکھیے۔

۱۔ تلک کی موت کی وجہ سے ہر طرف سکوت طاری ہے۔ آزادی کا جوش و جذبہ سرد ہو چکا ہے۔

۲۔ وطن کی حفاظت کے لیے تمھارا دبدبہ مشہور تھا۔ آزادی کے لیے قدم نہ لڑکھڑائیں یہ پیغام تھا۔

۳۔ اب تمھیں یاد کرکے اہلِ وطن روئیں گے اور دشمن سکون کی نیند سوئیں گے۔

* الفاظ اور ان کے معنی کی مناسب جوڑیاں لگائیے۔

	الفاظ	معنی
۱۔	طنطنہ	پہاڑ
۲۔	ناموس	محافظ
۳۔	کہسار	عزّت
۴۔	نگہبان	دبدبہ

* دیے ہوئے الفاظ کی ضد مرثیے سے تلاش کرکے لکھیے۔

زیست، تیرگی، تازگی، ابدی، رفیق، ظالم

* خبر، شجر کے ہم صوت دو لفظ لکھیے۔
* اس شعر کی تشریح کیجیے۔

اِک تڑپ آ گئی سوتے ہوئے ارمانوں میں
بجلیاں کوند گئیں قوم کے ویرانوں میں

* درج ذیل شعر کی صنعت لکھیے۔

پتیاں جھک گئیں ، مرجھا گئے صحرا کے شجر
رہ گئے جوش میں بہتے ہوئے دریا تھم کر

* لفظ 'مظلوم' سے اسم فاعل اور فعل بنائیے۔

* انٹرنیٹ کے ذریعے بال گنگادھر تلک کے بارے میں معلومات حاصل کرکے اپنی بیاض میں لکھیے۔
* شیر دکن ٹیپو سلطان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔

ٹیپو سلطان

ٹیپو سلطان میسور کی سلطنتِ خداداد کے بانی حیدر علی کے بیٹے تھے۔ ۱۷۵۰ء میں وہ حیدر علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام فتح علی تھا۔ ایک فقیر 'ٹیپو مستان شاہ' کے نام پر ان کا نام ٹیپو سلطان رکھا گیا۔ انھیں کئی علوم وفنون سکھائے گئے جن میں فنِ سپاہ گری پر خاص توجہ دی گئی۔ وہ ۱۷۷۲ء میں اپنے باپ کے جانشین ہوئے اور ارکاٹ کی جنگ میں صلح ہو جانے کے بعد ۱۷۸۳ء میں انھوں نے اپنی حکمرانی کا اعلان کیا جس کی وجہ سے ہمسایہ حکومتیں ان کی دشمن ہوگئیں۔ انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے بیٹوں کو یرغمال بنا کر ٹیپو سے کورگ کا علاقہ چھین لیا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹیپو سلطان انگریزوں کے دشمن ہوگئے۔ انگریزوں نے نہایت مکر وفریب سے ٹیپو سلطان کے بہت سے امرا اور وزرا کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دشمنوں سے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے وہ ۴؍مئی ۱۷۹۹ء کو شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی میسور کی سلطنتِ خداداد ختم ہوگئی۔ ٹیپو سلطان نے اپنی سلطنت میں مذہبی رواداری اور باہمی بھائی چارگی کو فروغ دیا تھا۔ برادرانِ وطن کے لیے ان کے ذریعے بنایا ہوا مندر آج بھی ان کی مذہبی رواداری کا گواہ ہے۔

* ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

سلطنتِ خداداد کے دشمن

....	انگریز	....

٦ ایکتا کی آواز

بیکلؔ اُتساہی

پہلی بات : ہمارے وطن کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہاں کثرت میں وحدت یعنی انیکتا میں ایکتا پائی جاتی ہے۔ یہاں الگ الگ قسم کے لوگ رہتے ہیں جو رنگ، نسل، مذہب، زبان اور ذات پات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اتنے بڑے ملک میں مختلف قومیں مل جل کر رہتی ہیں۔ ذیل کی نظم میں بتایا گیا ہے کہ اپنے ملک کی سلامتی اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہم آپسی اتفاق و اتحاد کو قائم رکھیں اور قومیت کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھیں اور اسے فروغ دیں۔

جان پہچان : بیکلؔ اُتساہی کا اصل نام لودھی محمد شفیع خان تھا۔ وہ یکم جون ۱۹۲۸ء کو موضع گور رموا پور ضلع گونڈا (یو پی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز اسی گاؤں کے مدرسے سے ہوا۔ بلرام پور ریاست کے کالج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۶ء میں راجیہ سبھا کے ممبر نامزد کیے گئے۔ بیکلؔ اُتساہی نے اُردو اور ہندی الفاظ کے حسین امتزاج سے اپنے گیتوں کو سنوارا اور قومی یکجہتی کے جذبات کو بھی اُبھارا۔ وہ مشاعروں کے مقبول شاعر تھے۔ امیر خسروؔ اور نظیرؔ اکبرآبادی کی طرح ان کی شاعری بھی عوامی تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ 'نشاطِ زندگی، نغمہ وترنم، پروائیاں' اور 'رنگ ہزاروں خوشبو ایک' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۳؍ دسمبر ۲۰۱۶ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

6T25P7

خلوص دل میں لیے کارواں کے ساتھ چلو
مسافرو ! چلو عزمِ گراں کے ساتھ چلو

زمانہ ساتھ چلے ، انجمن بھی ساتھ چلے
بہار چوُمے قدم ، بانکپن بھی ساتھ چلے

وہ عزم ہو کہ جسے زندگی سلام کرے
قدم قدم پہ سکوں جشن اہتمام کرے

وطن کی لاج بنو ، قوم کا نکھار بنو
ہر ایک دل کے لیے حسنِ اعتبار بنو

بھلا دو فرقہ پرستی کی داستانوں کو
مٹا دو بڑھ کے تعصب بھرے جہانوں کو

قسم وطن کی تمھیں ، ایکتا کے گن گاؤ
دِلوں میں عظمتِ قوم و وطن کو چمکاؤ

قدم کے ساتھ اگر دِل ملیں تو بات بنے
جہاں بھی چاہو وہیں منزلِ حیات بنے

ہو ایک دل ذرا آواز بھی ملا کے چلو
چلو تو راہِ حوادث میں مسکرا کے چلو

خلاصہ : ہمارا ملک ہندوستان مختلف رنگ ونسل کے لوگوں، زبانوں اور مذاہب کا ملک ہے۔ شاعر ملک کی ترقی، خوش حالی، خلوص ومحبت، امن وسکون اور آپسی میل جول، قوم ووطن کی عظمت کے لیے تعصب اور فرقہ پرستی سے دور رہنے کا مشورہ دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماضی کی پرانی فرقہ پرستی کی داستانوں کو بھلا کر ہم سب کو آواز سے آواز، قدم سے قدم اور دل سے دل ملا کر چلنا ہوگا۔ اُسے اُمید ہے کہ اس طرح راہ میں آنے والی ہر مصیبت آپ ہی آپ ہٹ جائے گی اور ملک تیزی سے ترقی کرے گا۔

معانی واشارات

ایکتا	-	وحدت، میل جول
عزمِ گراں	-	پکا ارادہ
حسنِ اعتبار	-	بھروسے کی خوبی
دل ملنا	-	میل جول بڑھنا
ایک دل ہونا	-	میل جول ہونا

مشق

✳ **قافیہ لکھیے۔**

سلام - .... بات - ....
گاؤں - .... نکھار - ....

✳ **نظم سے قومی یکجہتی اور اتحاد کا درس دینے والا شعر تلاش کر کے لکھیے۔**

✳ **"بھلا دو فرقہ پرستی کی داستانوں کو" اس مصرعے کی وضاحت کیجیے۔**

✳ **نظم میں شاعر نے جو پیغام دیا ہے، اُسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔**

✳ **صحیح متبادل کا انتخاب کیجیے۔**

نظم میں شاعر نے 'چلو، بنو، کو' اِن الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ انھیں..................کہتے ہیں۔

(الف) ردیف (ب) قافیہ
(ج) تکرار

✳ **شعر کی تشریح کیجیے۔**

قدم کے ساتھ اگر دل ملیں تو بات بنے
جہاں بھی چاہو وہیں منزلِ حیات بنے

✳ **متعلقہ الفاظ کی جوڑیاں لگائیے۔**

ستون 'الف'	ستون 'ب'
کارواں	ارادہ
انجمن	خوش نمائی
عزم	قافلہ
جشن	مجلس
حسن	خوشی کی محفل

✳ **دیے ہوئے بیان سے متعلق شعر لکھیے۔**

۱۔ ہمیشہ ملک کے اتحاد اور سالمیت کی بات کرو۔ وطن کا احترام کرو۔
۲۔ آپس کی فرقہ بندی اور تفریق کو ختم کر دو۔
۳۔ زندگی اس طرح گزارو کہ ہر ایک فرد تم پر یقین کرے۔ تم ملک اور قوم کی عزّت اور وقار بنو۔

✳ **جنوبی ہندوستان کی چار زبانوں کے نام لکھیے۔**

✳ **اس نظم کو جماعت میں ترنم سے پڑھیے۔**

٭ اس چوکون میں درج ذیل لفظوں کے ہم قافیہ الفاظ تلاش کیجیے :

بیابانی ، بدن

ف	چ	ن	گ	گ	و	ہ
ر	ن	ا	ن	ب	م	ر
ا	د	ی	ن	ہ	گ	ن
و	م	ش	د	ن	ط	و
ا	ن	ا	چ	ن	س	ر
ن	ن	ن	ل	چ	ن	م
ی	ن	ا	ب	ہ	گ	ن

٭ اپنی بیاض میں حب الوطنی کے تین گیت نقل کیجیے۔

٭ وطنی شاعری پر ایک مضمون لکھیے۔

اُردو ادب اور قومی یکجہتی

بھارت مختلف قوموں، مذہبوں اور گوناگوں تہذیبوں کا ملک ہے۔ ہمارا ملک کثرت میں وحدت اور انیکتا میں ایکتا کے لیے مشہور ہے۔ اس ایکتا کو پروان چڑھانے اور اسے مضبوط بنانے کے لیے سماجی اور سیاسی سطح پر کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ دیوالی اور عید کے تہواروں میں یہاں مذہبی رواداری دِکھائی دیتی ہے۔ لوگ بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں اور ان کا احترام بھی کرتے ہیں۔

قومی یکجہتی کو فروغ دینے میں ادب کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک اُردو ادب کا تعلق ہے، اُردو زبان خود گنگا جمنی تہذیب کی پیداوار ہے۔ یہ اسلامی اور ہندو تہذیب کا مرقع ہے۔ اُردو ادب میں قرآن و احادیث اور مسلمانوں کے قصے کہانیاں ملتی ہیں تو رامائن اور مہابھارت کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ اُردو کے صوفی شعرا نے جہاں ہندو روایات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے، وہیں ہندو سنتوں نے بھی اُردو میں نعتیہ ادب کو پروان چڑھانے میں حصہ لیا ہے۔ اُردو کے شعری ادب میں ہندو شعرا کا طویل سلسلہ بھی ملتا ہے تو نثری ادب کے فروغ میں بھی ہندو ادیبوں کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔

ہندوستان کی تمام زبانوں میں اُردو زبان و ادب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ قومی یکجہتی کو فروغ دینے والا ادبی سرمایہ اس میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

۱۔ قومی یکجہتی کا ذکر جس نظم میں ہوا ہے اس کے چار اشعار لکھیے۔

۲۔ قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے آپ اپنے غیر مسلم دوستوں کے ساتھ عیدالفطر کیسے منائیں گے؟ چند جملوں میں لکھیے۔

۳۔ اُردو کے چار غیر مسلم شعرا کے نام اور ان کی کتابوں کے متعلق معلومات لکھیے۔

۷ ہم نے کار خریدی

ساغؔر خیامی

پہلی بات : پرانے زمانے میں کسی شخص کے امیر اور مالدار ہونے کی علامت یہ بتائی جاتی تھی کہ ”اس کے دروازے پر ہاتھی جھوٗمتا ہے۔“ ہمارے زمانے میں کسی شخص کے گھر کے آگے اس کی کار کھڑی ہو تو وہ آسودہ حال سمجھا جاتا ہے۔ اب مالدار لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور کار عزّت و وقار سے زیادہ ضرورت کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔

ذیل کی نظم میں ایسی ہی دلچسپ صورتِ حال کو پیش کیا گیا ہے کہ پرانی کار خریدنے کے بعد شاعر کو اس قدر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ اسے بیچنے پر مجبور ہوگیا۔

جان پہچان : ساغؔر خیامی کا اصل نام سیّد رشید الحسن تھا۔ وہ ۷؍جون ۱۹۳۸ء کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد اولاد حسین نقوی بھی شاعر تھے اور 'شاعؔر لکھنوی' کے نام سے معروف تھے۔ ساغؔر خیامی کے بھائی ناظؔر خیامی بھی مقبول مزاحیہ شاعر تھے۔ ساغؔر خیامی نے لکھنؤ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۹۷ء میں انھیں غالب ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ان کے تین شعری مجموعے 'انڈر کریز'، 'قہقہوں کی بارات' اور 'پسِ روشنی' شائع ہو چکے ہیں۔ ساغؔر خیامی کو اُردو کے مزاح نگار شعرا میں اہم مقام حاصل ہے۔ ۱۹؍جون ۲۰۰۸ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

چاروں طرف سے بند ہے صندوٗق کی طرح   چلنے سے پہلے اُچھلے ہے بندوٗق کی طرح
لیتی ہے لمبی سانس بھی مدقوٗق کی طرح   چلتی ہے وہ سڑک پہ بھی معشوٗق کی طرح
اُڑ جائے تو قدم نہ اُٹھائے برائے سیر
چل جائے تو رُکے نہ وہ دیوار کے بغیر

پھٹکار ایسی کار کے ، ساغؔر ، خیال پر   روتا ہے پھوٗٹ پھوٗٹ کے ماضی بھی حال پر
کہنے پڑے قصیدے کئی جس کی چال پر   کھوا ہے وہ چڑھائی پہ ، ہرنی ہے ڈھال پر
اکثر مرے گھٹانے پہ اسپیڈ بڑھ گئی
اُڑ کر سڑک سے چاٹ کے ٹھیلے پہ چڑھ گئی

کیا کہیے جس طرح مرے جی کو جلائے ہے   آگے کو میں چلاؤں ، وہ پیچھے کو جائے ہے
مرغی کی طرح دھول پروں سے اُڑائے ہے   سو بار دن میں جیل کے رستے دِکھائے ہے
ہے کار کس کے پاس جو اتنی قدیم ہو
آئے جو باپ سامنے ، بیٹا یتیم ہو

گو ہے شکستہ حال ، پہ ہمت بلند ہے ‏ کھینچے جو سوئے دار ، وہ ایسی کمند ہے
یہ ہی نہیں کہ صرف شرارت پسند ہے ‏ پہیوں میں اس کے ، وقت کی رفتار بند ہے
چھوٹی ببول سے تو پھنسی آ کے نیم میں
ہٹلر کے کام آئی ہے جنگِ عظیم میں
موٹر خریدنے سے بڑا نام ہوگیا ‏ کہتے ہیں لوگ آپ کو آرام ہوگیا
ان کو خبر نہیں ، مجھے سرسام ہوگیا ‏ گھر جس کی دیکھ بھال میں نیلام ہوگیا
لِلّٰہ میری جان عزیزی بچایئے
گاہک کوئی ملے تو مجھے بھی بتایئے

خلاصہ : اس نظم میں شاعر نے پرانی کار کے چلنے رکنے کی منظرکشی کی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ یہ کار چاروں طرف سے صندوق کی طرح بند ہے۔ چلنے سے پہلے بندوق کی طرح اُچھلتی ہے اور معشوق کی طرح اِٹھلاتی ہوئی چلتی ہے۔اس کا چلانا مشکل ہے۔چل پڑے تو روکنا دشوار ہے۔شاعر اس وقت کو یاد کرکے روتا ہے جب یہ کار خریدی گئی تھی۔ یہ چڑھائی پر کچھوے کی طرح سست ہوجاتی اور ڈھلان پر ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی ہے۔اس کی اسپیڈ گھٹائیں تو بڑھ جاتی اور آگے چلاؤ تو یہ پیچھے چلتی ہے اس لیے کئی حادثوں کا شکار ہوتی ہے۔ یہ کار شکستہ حال ہے اور چلنے میں ناکام ہے گویا اس کے پہیوں میں وقت کی رفتار بند ہے۔موٹر خریدنے سے شاعر کی شہرت اور وقار میں اضافہ ضرور ہوا مگر وہ کئی مصیبتوں میں پھنس گیا ہے۔کاش کوئی اسے خرید لے تو شاعر کی جان چھوٹے۔

معانی واشارات

مدقوق	جسے دق کی بیماری ہو مراد بہت کمزور و لاغر	سوئے دار	پھانسی کے پھندے کی طرف
معشوق	بہت پیارا دوست	کمند	پھندا
پھٹکار	لعنت	ہٹلر	جرمنی کا مشہور ڈکٹیٹر
شکستہ حال	بری حالت والا	سرسام	ایک بیماری کا نام

6TB1QU

مشق

* ”اُس کے دروازے پر ہاتھی جھومتا ہے۔“ اس بیان کی وضاحت کیجیے۔

* خاکے مکمل کیجیے:

ساغر خیامی
- اصل نام ....
- تاریخِ پیدائش ....
- جائے پیدائش ....
- ملازمت ....
- ایوارڈ ....
- والد ....

ساغر خیامی کے شعری مجموعے
- ☐
- ☐
- ☐

* ’بندوق، مدقوق، معشوق‘ ان الفاظ کے ذریعے کار کی بیان کی گئی کیفیتوں کو واضح کیجیے۔

الفاظ	کیفیت	الفاظ	کیفیت
بندوق	....	مدقوق	....
معشوق	....		

* شعر کا مطلب لکھیے۔

اُڑ جائے تو قدم نہ اُٹھائے برائے سیر
چل جائے تو رُکے نہ وہ دیوار کے بغیر

* نظم سے ایسے مصرعے تلاش کر کے لکھیے جن میں صنعتِ تشبیہ کا استعمال کیا گیا ہے۔
* ”چھوٹی بول سے تو پھنسی آ کے نیم میں“ اس مصرع کی طرح ایک کہاوت ہے۔ وہ کہاوت لکھیے۔
* مناسب جوڑیاں لگائیے۔

الف	ب
قصیدہ	چڑھائی
کچھوا	ڈھال
ہرنی	چال

* جملوں میں استعمال کیجیے۔

(الف) اَڑ جانا (ب) اُڑ کر جانا

* مطلب بیان کیجیے۔

۱۔ آئے جو باپ سامنے، بیٹا یتیم ہو

۲۔ پہیوں میں اس کے، وقت کی رفتار بند ہے

* قدیم۔یتیم، نیم۔عظیم کی طرح ہم صوت لفظوں کی جوڑیاں بنائیے۔
* شاعر کی کار کے بارے میں اپنی رائے لکھیے۔
* صنعتِ مبالغہ کا شعر لکھیے۔
* اپنی پسندیدہ کار کے بارے میں لکھیے۔
* مختلف کمپنیوں کی کاریں آپ نے دیکھی ہوں گی۔ چار دوستوں کا ایک گروپ بنا کر ان کاروں کے ناموں اور خوبیوں پر بات چیت کیجیے۔
* کوئی مزاحیہ نظم تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔
* اُردو میں مختلف سواریوں پر نظمیں لکھی گئی ہیں۔ ایسی تین نظمیں تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔
* نظم ’ہم نے کار خریدی‘ کے پہلے بند سے تشبیہ کے مصرعے لکھیے۔

میری سائیکل

آخر کار بائسیکل پر سوار ہوا۔ گھر سے نکلتے ہوئے کچھ تھوڑی سی اترائی تھی۔ اس پر سائیکل خود بخود چلنے لگی، لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتا ہے، اور ساتھ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونا شروع ہوئیں۔ ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے: چیں، چاں، چوں کی قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہیے سے نکلتی تھیں۔ کھٹ، کھڑ کھڑ، کھڑر کی آوازیں مڈگارڈوں سے آتی تھیں۔ چر، چرخ، چرچرخ کی قسم کے سُر زنجیر اور پیڈل سے نکلتے تھے۔ زنجیر ڈھیلی تھی۔ پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے کو چلتا تھا اس کے علاوہ داہنے سے بائیں اور بائیں سے داہنے کو بھی حرکت کرتا تھا۔ چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑ جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سانپ لہرا کر نکل گیا ہے۔

پُرزے جو اب تک سو رہے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے۔ اِدھر اُدھر کے لوگ چونکے۔ کھڑر کھڑر کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی، لیکن چونکہ بائسیکل اب پہلے سے تیز تھی اس لیے ’چوں چوں پھٹ‘ نے ’چچوں پھٹ‘ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس قدر تیز رفتاری سے دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں؛ ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا۔ اس کے علاوہ بائسیکل کی گدی دفعتہً چھ انچ کے قریب نیچے بیٹھ گئی۔ چنانچہ جب پیڈل چلانے کے لیے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میری ٹھوڑی تک پہنچ جاتے تھے۔

* وجہ بیان کیجیے۔

۱۔ سائیکل خود بخود چلنے لگی۔

۲۔ سڑک پر ایسا نشان پڑ جاتا جیسے سانپ لہرا کر نکل گیا ہے۔

۳۔ ادھر ادھر کے لوگ چونکے۔

۴۔ ’چوں چوں پھٹ‘ نے ’چچوں پھٹ‘ کی صورت اختیار کر لی تھی۔

۵۔ اس اقتباس میں آنے والی آوازوں کو ترتیب وار لکھیے۔

۶۔ اس اقتباس کے مصنف کا نام تلاش کر کے لکھیے۔

۸ صبح دم دروازۂ خاور کھلا

مرزا غالبؔ

پہلی بات : عام زندگی میں موقع بے موقع لوگ ایک دوسرے کی تعریف اور ستائش کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک سماجی عمل ہے۔ تعریف کرنے والے کا کوئی مقصد ہوسکتا ہے اور جس کی تعریف کی جارہی ہو، ممکن ہے کہ اپنی تعریف سن کر وہ تعریف کرنے والے کا کوئی کام بنا دے۔ عوام سے ہٹ کر یہ طریقہ پرانے زمانے میں امیروں، نوابوں اور بادشاہوں کے درباروں میں بھی رائج تھا۔ معاشرے کے عالم، فاضل، شاعر اور دوسرے فن کار درباروں میں اعزازات پاتے تھے جس کے صلے میں انھیں نوابوں، بادشاہوں کی تعریف و توصیف کرنی پڑتی تھی۔ خاص طور پر شاعر اپنی نظموں میں انعام و اکرام دینے والوں کی خوب بڑھا چڑھا کر تعریف کیا کرتا اور بدلے میں خطاب یا خلعت سے نوازا جاتا تھا۔ شاعری میں ایسی نظم کو **'قصیدہ'** کہتے ہیں۔

قصیدے میں یوں تو صرف ممدوح کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں مگر بعض قصیدوں میں وعظ و نصیحت اور وطنی حالات کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ اُردو شاعری میں سوداؔ، انشاؔ، ذوقؔ اور غالبؔ کے قصیدے مشہور ہیں۔

قصیدہ اُردو شاعری کی ایک مقبول صنف رہا ہے۔ لفظ 'قصیدہ' کے معنی 'مقصود/ ارادہ' ہیں یعنی قصیدہ لکھتے وقت شاعر کا مقصد یا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی (نواب، امیر یا بادشاہ) کی خوب بڑھا چڑھا کر تعریف و توصیف کرے۔ اس سے شاعر کا مقصد نواب یا بادشاہ سے انعام و اکرام حاصل کرنا بھی ہوتا ہے۔ اپنے مقصد کی وجہ سے قصیدہ ایک موضوعی صنف ہے لیکن اس کی مخصوص ہیئت بھی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا پہلا شعر **'مطلع'** کہلاتا ہے اور بعد کے اشعار میں غزل کی طرح مطلع کے قافیوں کی پابندی کی جاتی ہے۔ قصیدے کے چند مخصوص اجزا ہیں۔ مطلع کے بعد اس کا پہلا جز آتا ہے جسے **'تشبیب'** کہتے ہیں۔ تشبیب کے اشعار میں شاعر کسی مخصوص موضوع مثلاً موسم، زمانے کے حالات، خود اس کی اپنی شاعرانہ حیثیت وغیرہ پر چند اشعار کہتا ہے۔ اس کے بعد قصیدے کا دوسرا جز **'گریز'** آتا ہے۔ یہاں شاعر دوسرا مطلع بھی شامل کرسکتا ہے۔ گریز سے مراد یہ ہے کہ یہاں سے شاعر تشبیب کے موضوع سے گریز کر کے قصیدے کے مقصد یعنی نواب یا بادشاہ کی تعریف و توصیف میں اشعار شامل کرتا ہے۔ اس حصے کو **'مدح'** کہتے ہیں جو قصیدے کا خاص حصہ ہے۔ مدح کے بعد ممدوح سے شاعر کو انعام و اکرام کی توقع ہوتی ہے۔ وہ اس مقصد کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ یہ حصہ **'عرضِ مدعا'** یا **'حسن طلب'** کہلاتا ہے۔ اس کے بعد شاعر نواب یا بادشاہ کے لیے دعا پر قصیدے کو ختم کرتا ہے۔

جان پہچان : مرزا غالبؔ ۲۷ر دسمبر ۱۷۹۷ء کو اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام اسد اللہ خاں اور لقب مرزا نوشہ تھا۔ دہلی کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ نے انھیں نجم الدولہ، دبیر الملک اور نظام جنگ کے شاہی خطابات بھی دیے تھے۔ جب انھوں نے شاعری شروع کی تو پہلے اسدؔ پھر غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ غالبؔ نے شاعری میں اپنا انداز آپ ایجاد کیا۔ انھوں نے اُردو شاعری کو وقار اور اُردو غزل کو اعتبار بخشا۔ وہ دراصل غزل کے شاعر تھے لیکن انھوں نے قصیدہ، رباعی اور قطعہ جیسی اصناف میں بھی خوب اشعار کہے ہیں۔ فارسی نظم و نثر میں بھی ان کی کئی تصانیف مشہور ہیں۔ اُردو زبان میں پہلے پہل مکتوب نگاری کی روایت کو غالبؔ ہی نے فروغ دیا اور ایسی بے تکلفی سے عام زبان میں اپنے دوستوں کو خطوط لکھے جنھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ دوست آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہوں۔ ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء کو غالبؔ کا انتقال دہلی میں ہوا۔

ذیل میں غالبؔ کا مشہور قصیدہ دیا جارہا ہے جو اس صنف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس قصیدے میں غالبؔ نے جیسے الفاظ اور شعری ترکیبیں استعمال کی ہیں، ان سے قصیدے میں ایک شاہانہ شان پیدا ہوگئی ہے۔

صبح دم دروازۂ خاور کھُلا
مہرِ عالم تاب کا منظر کھُلا

خسروِ انجم کے آیا صرف میں
شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھُلا

ہیں کواکب کچھ ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھُلا

سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو
موتیوں کا ہر طرف زیور کھُلا

صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھُلا

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھُلا

تاجِ زرّیں ، مہرِ تاباں سے سوا
خسروِ آفاق کے منہ پر کھُلا

شاہِ روشن دل بہادر شہہ کہ ہے
رازِ ہستی اُس پہ سر تا سر کھُلا

وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں
مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر کھُلا

مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے
منصبِ مہر و مہ و محور کھُلا

باغِ معنی کی دِکھاؤں گا بہار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھُلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھُلا

مدح سے ممدوح کی دیکھی شکُوہ
یاں عرض سے رُتبۂ جوہر کھُلا

مہر کانپا ، چرخ چکر کھا گیا
بادشہ کا رایتِ لشکر کھُلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب عُلوِّ پایۂ منبر کھُلا

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
اب فریبِ طغرل و سنجر کھُلا

ہو سکے کیا مدح ، ہاں اِک نام ہے
دفترِ مدحِ جہاں داور کھُلا

جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل
تم پہ اے خاقانِ نام آور کھُلا

تم کرو صاحب قرانی ، جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھُلا

خلاصہ : غالبؔ کا یہ قصیدہ مغل بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفرؔ کی مدح میں لکھا گیا ہے۔ اس کی تشبیب میں غالبؔ نے فلکی اجسام (سورج، ستاروں) کے حوالے سے بادشاہ کے دربار کی آرائشوں کو خوب صورت زبان میں پیش کیا ہے۔ گریز میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں سے بہادر شاہ کی شان و شوکت کہیں بڑھ کر ہے۔ اپنے بارے میں خود شاعر کہتا ہے کہ ایسے عظیم بادشاہ کے دربار میں جا کر میری قدر و منزلت بھی خوب بڑھ گئی ہے۔ میں جو بادشاہ کی مدح و ثنا کر رہا ہوں، بادشاہ اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ بادشاہ سلامت رہتی دنیا تک حکومت کرتے رہیں۔

معانی و اشارات

دروازۂ خاور - سورج کا دروازہ مراد مشرق
مہرِ عالم تاب - دنیا کو روشن کرنے والا سورج
خسرو انجم - ستاروں کا بادشاہ مراد سورج
صرف میں آنا - خرچ کیا جانا
کواکب - کوکب کی جمع، ستارے
سطحِ گردوں - آسمان کی سطح
نگارِ آتشیں رُخ - آگ جیسے (روشن) چہرے والا معشوق
کعبۂ امن و اماں - سکون اور امن کا مقام
تاجِ زرّیں - سونے کا تاج
مہرِ تاباں - روشن سورج
سوا - زیادہ
خسروِ آفاق - آسمانوں کا بادشاہ مراد بہادر شاہ ظفر
(منہ پر) کھلا - اچھا لگا
سر تا سر - پوری طرح
صورتِ تکوین - تخلیق کی صورت یعنی وجود
مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر - نو آسمانوں اور سات ستاروں کی تخلیق کا مقصد
منصبِ مہر و مہ و محور - سورج، چاند اور زمین کے محور کا مقام

باغِ معنی - طرح طرح کے معنی
شاہِ سخن گستر - زود گو بادشاہ مراد شاعر
مدحت طرازی - تعریف کرنا
دفترِ مدحِ جہاں داور - دنیا کے بادشاہ کے قصیدے کا دفتر
رتبۂ جوہر - اصل خوبی
عرض - کسی چیز کے وجود کا سبب
شُکوہ - عظمت، بڑائی
رایتِ لشکر - فوج کا جھنڈا
عُلوِّ پایۂ منبر - منبر کے پایے کی بلندی
فریبِ طغرل و سنجر - ترکستان کے بادشاہوں (طغرل و سنجر) کی اہمیت کا فریب
خطِ لوحِ ازل - کائنات کی ابتدا میں لکھی گئی تختی کی تحریر (جس میں ازل سے ابد تک کے حالات درج کیے گئے ہیں)
خاقان - چین کے بادشاہوں کا لقب
خاقان نام آور - مشہور بادشاہ مراد بہادر شاہ
صاحب قرانی - بہترین بادشاہت
طلسمِ روز و شب - دن رات کا طلسم مراد زندگی

مشق

* ذیل کے اشعار کا مفہوم بیان کیجیے:

ا۔ صبح آیا جانبِ مشرق نظر اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا
۲۔ وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں مقصدِ نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

* بہادر شاہ کے تاریخی حالات معلوم کیجیے۔

ذیل کی سرگرمیاں ایک لفظ/ایک جملے میں مکمل کیجیے۔

* قصیدے کے اجزا
....

* غالبؔ کے خطابات
....

✳ صحیح متبادل لکھیے۔

۱۔ قصیدے کے...............اجزا ہوتے ہیں۔

(i) پانچ (ii) چار

(iii) چھے (iv) سات

۲۔ قصیدہ ایک.............صنف ہے۔

(i) وارداتی (ii) موضوعی

(iii) معنوی (iv) تاریخی

۳۔ مرزا غالبؔ نے............کی روایت کو فروغ دیا۔

(i) قصیدہ نگاری (ii) نثر نگاری

(iii) مکتوب نگاری (iv) مثنوی نگاری

۴۔ مرزا غالبؔ کا لقب.................تھا۔

(i) مرزا اسداللہ

(ii) نجم الدولہ

(iii) مرزا اسداللہ خان

(iv) مرزا نوشہ

✳ قصیدے میں استعمال کیے گئے سورج کے دیگر نام لکھیے۔

✳ بادشاہ کے لیے استعمال کیے گئے صفاتی نام لکھیے۔

ذیل کی سرگرمیاں مختصراً مکمل کیجیے۔

✳ قصیدے سے صنعتِ مبالغہ کا کوئی شعر لکھیے۔

✳ سورج کے کانپنے اور آسمان کے چکرانے کی وجہ لکھیے۔

✳ شاعر نے بادشاہ کے تاج اور سورج میں جو نسبت بیان کی ہے اسے لکھیے۔

✳ "بادشاہ کی حکمرانی میں کہیں بھی فتنہ وفساد نہیں تھا۔" اس مفہوم کا شعر لکھیے۔

✳ "دن رات کا چکر جب تک چلتا رہے گا بادشاہ حکمرانی کرتے رہیں گے۔" اس مفہوم والا شعر لکھیے۔

✳ اشعار کو غور سے پڑھیے اور وہ قصیدے کے کن اجزا سے لیے گئے ہیں ان کے نام لکھیے۔

۱۔ پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کُھلا

۲۔ بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب عُلوِّ پایۂ منبر کُھلا

۳۔ تم کرو صاحب قرانی ، جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کُھلا

لطائفِ غالبؔ

☆ ماہِ رمضان ختم ہونے کے بعد مرزا غالبؔ عید ملنے کے لیے بہادر شاہ ظفر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا، ''مرزا! تم نے روزے رکھے؟''
غالبؔ نے نہایت سادگی سے جواب دیا، ''پیرو مرشد! ایک نہیں رکھا۔''

☆ ایک روز سیّد سردار مرزا غالبؔ کے ہاں تشریف لائے۔ تھوڑی دیر بعد جانے لگے تو مرزا شمع دان لے کر لبِ فرش تک آئے تاکہ وہ روشنی میں جوتا دیکھ کر پہن لیں۔ سیّد سردار نے کہا، ''قبلہ و کعبہ! آپ نے اس قدر زحمت فرمائی۔ میں اپنا جوتا پہن لیتا۔''
مرزا ہنس کر بولے، ''بھئی، میں آپ کا جوتا دِکھانے کو شمع دان نہیں لایا، بلکہ اس احتیاط سے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرا جوتا نہ پہن لیں۔''

☆ آموں کا موسم تھا۔ بہادر شاہ ظفر چند مصاحبوں کے ہمراہ جن میں مرزا غالبؔ بھی تھے، باغ حیات بخش میں گلگشت کر رہے تھے۔ آم کے درخت رنگ برنگے آموں سے لدرہے تھے۔ یہاں کے آم صرف بادشاہ، بیگمات یا دوسرے ممالک کے بادشاہوں کو تحفے میں بھیجنے کے لیے مخصوص تھے۔ مرزا غالبؔ کو آم بہت مرغوب تھے۔ وہ درختوں کے قریب جا کر آموں کو بار بار غور سے دیکھتے۔ بادشاہ نے پوچھا، ''مرزا! اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟'' مرزا نے دست بستہ عرض کیا، ''پیرو مرشد! یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے کہ دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے، دیکھتا ہوں کہ کسی آم پر میرا نام بھی لکھا ہے یا نہیں۔''
بادشاہ یہ سن کر مسکرائے اور مرزا صاحب کے گھر عمدہ آم بھجوائے۔

۹ رباعیات

پہلی بات : کسی مخصوص موضوع پر مسلسل اشعار کے مجموعے کو نظم کہتے ہیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو مصرعوں یا اشعار کی تعداد کے مطابق پہچانی جاتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ چار مصرعوں اور ایک خاص وزن و بحر میں ادا کیے گئے شاعرانہ خیال کو 'رباعی' کہتے ہیں۔ اکثر اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ ہوتا ہے۔ (کبھی کبھی چاروں مصرعوں میں بھی قافیے استعمال کیے جاتے ہیں۔) رباعی میں شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کا خیال پہلے مصرعے سے ترقی کرتا جاتا اور چوتھے مصرع میں اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ یہ مصرع بہت متاثر کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ شاعر اس میں رباعی کے بہت وسیع خیال کو ایک نقطے پر مرکوز کردیتا ہے اس لیے یہ مصرع بہت 'زوردار' ہوجاتا ہے اور بڑے خوب صورت اور چونکانے والے انداز میں شاعر کی بات کو مکمل کرتا ہے۔

یاد رہے کہ قطعہ بھی اکثر چار ہی مصرعوں کا مجموعہ ہوتا ہے مگر اس کے وزن و بحر مخصوص نہیں ہوتے اور نہ اکثر ان میں مطلع ہوتا ہے۔ یہ پابندی رباعی کے لیے لازمی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رباعی کہنا ایک مشکل کام ہے اس لیے فن کے ماہر شعرا اسے ایک چیلنج کے طور پر لکھتے ہیں۔ تمام بڑے اور اہم شعرا کے کلام میں رباعیاں ملتی ہیں۔ میرؔ و سوداؔ، انیسؔ و دبیرؔ، غالبؔ و ذوقؔ، اکبرؔ و رواںؔ، جوشؔ و فراقؔ، امجدؔ و یگانہؔ سب نے رباعیاں کہی ہیں۔

میں یہاں بھی ہوں...

آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی

میر انیسؔ

جان پہچان : میر ببر علی انیسؔ ۱۸۰۳ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ میر خلیقؔ کے بیٹے اور میر حسنؔ کے پوتے تھے۔ شاعری میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ انیسؔ اُردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کا کلام فصاحت کا بہترین نمونہ ہے۔ انھوں نے شاعری کی دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ 'رباعیاتِ میر انیسؔ' ان کی رباعیوں کا مجموعہ زبان و بیان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا مظہر ہے۔ ۱۰ر دسمبر ۱۸۷۴ء کو لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے ۔۔۔ اشکوں کی ردا منہ پہ پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں ۔۔۔ یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

مرزا دبیرؔ

جان پہچان : مرزا سلامت علی دبیرؔ ۲۹ر اگست ۱۸۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ میر انیسؔ کے ہم عصر تھے۔ اُردو شاعری میں انیسؔ اور دبیرؔ کے مرثیے مشہور ہیں۔ انیسؔ کے مرثیوں کی زبان سادہ اور سلیس ہے جبکہ دبیرؔ کے مرثیوں میں مشکل اور دقیق الفاظ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ دبیرؔ بنیادی طور پر مرثیہ گو تھے۔ دیگر مرثیہ گو شعرا کی طرح انھوں نے بھی رباعیاں کہی ہیں۔ ان رباعیوں میں دنیا کی بے ثباتی اور فکرِ آخرت کا درس مؤثر انداز میں نظم ہوا ہے۔ ۷ر مارچ ۱۸۷۵ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ہر چشم سے چشمے کی روانی ہوجائے ۔۔۔ پھر تازہ مری مرثیہ خوانی ہوجائے
فضلِ باری سے ہوں یہ آنسو جاری ۔۔۔ ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہوجائے

اکبؔرالہ آبادی

جان پہچان : اکبؔرالہ آبادی ۱۶؍نومبر ۱۸۴۶ء کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد اکبر حسین تھا۔ انھوں نے وکالت کا امتحان پاس کر کے مختلف عہدوں پر ترقی حاصل کی اور ۱۸۹۴ء میں سیشن جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اکبؔر نے اُردو میں طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو بنیاد بنا کر مغربی تہذیب اور طرزِ زندگی کو نشانۂ ملامت بنایا۔ شوخی، شگفتگی اور بذلہ سنجی ان کے کلام کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ ان کی شاعری میں تعمیر اور اصلاح کا پہلو نمایاں ہے۔ ۹؍ستمبر ۱۹۲۱ء کو الہ آباد میں ان کا انتقال ہوا۔

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزّت کے لیے کافی ہے، اے دل، نیکی

فراقؔ گورکھپوری

جان پہچان : فراقؔ گورکھپوری کا اصل نام رگھوپتی سہائے اور فراقؔ تخلص تھا۔ ۲۸؍اگست ۱۸۹۶ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد یونیورسٹی میں لیکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ وہ اُردو غزل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کے شعری مجموعے 'گلِ نغمہ' کو گیان پیٹھ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی طرح ۱۹۶۰ء میں انھیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ طویل علالت کے بعد ۳؍مارچ ۱۹۸۲ء کو نئی دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

نظموں میں وطن ہی کی فضا ملتی ہے
دیہات کی مستانہ ہوا ملتی ہے
ساون کی گھٹائیں ہیں تو آموں کے باغ
گاتی ہوئی کویل کی نوا ملتی ہے

معانی و اشارات

اشک	-	آنسو
رِدا	-	چادر
ساون بھادوں	-	برسات کا پہلا اور دوسرا مہینہ
چشم	-	آنکھ
فضلِ باری	-	خدا کی مہربانی
فلک	-	آسمان
نوا	-	آواز

مشق

رباعی نمبر ۱

* درج ذیل شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

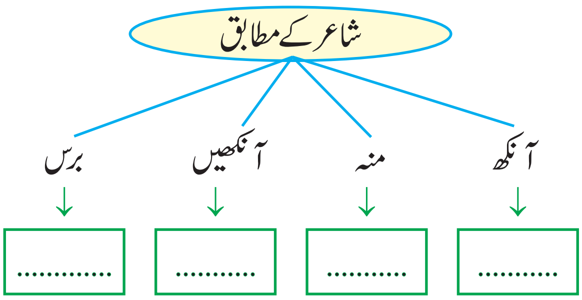

* "یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے۔" اس مصرع کی وضاحت کیجیے۔

* ہم معنی لفظ لکھیے۔

آنکھ ↔ ....   اشک ↔ ....

ساون ↔ ....   ردا ↔ ....

برس ↔ ....

رباعی نمبر۲

* حروفِ تہجی کی ترتیب میں لکھیے۔

چشم ، تازہ ، فضل ، شرم

* شعر کی تشریح کیجیے۔

فضلِ باری سے ہوں یہ آنسو جاری
ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہوجائے

* دبیرؔ کی رباعی کی ردیف لکھیے۔
* ہم قافیہ الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔

رباعی نمبر۳

* شعر کی تشریح کیجیے۔

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی

* واوِعطف سے بنی دو ترکیبیں لکھیے۔

مثال – صنعت وزراعت

رباعی نمبر۴

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

لفظ 'فضا' کے ہم قافیہ الفاظ

....	....	....	....

* رباعی کے حوالے سے جوڑیاں لگائیے۔

	ستون 'الف'	ستون 'ب'
۱۔	نظم	آم کا باغ
۲۔	دیہات	نوا
۳۔	ساون کی گھٹا	مستانہ ہوا
۴۔	کویل	وطن کی فضا

* ہم معنی لفظ لکھیے۔

(الف) فضا   (ب) آواز

(الف)

(ب)   و

* فراقؔ کی رباعی کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

* نیچے دیے ہوئے مصرعوں کی درست جوڑیاں لگائیے :

	ستون 'الف'	ستون 'ب'
۱۔	فضلِ باری سے ہوں یہ آنسو جاری	ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
۲۔	ساون کی گھٹائیں ہیں تو آموں کے باغ	یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے
۳۔	ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی	ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہوجائے
۴۔	دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں	گاتی ہوئی کویل کی نوا ملتی ہے

6TTSU5

قطعات

پہلی بات : غزل یا قصیدے میں جب کوئی شاعرانہ خیال دو یا دو سے زیادہ شعروں میں ادا کیا جاتا ہے تو ایسے شعروں کے مجموعے کو قطعہ کہتے ہیں۔ اگر یہ غزل یا قصیدے ہی میں ہوں تو انھیں قطعہ بند اشعار بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل غزل یا قصیدے میں ایسے مسلسل اشعار نظم نہیں کیے جاتے۔ شاعر الگ سے دو یا زیادہ شعروں میں کوئی مسلسل مضمون نظم کرے تو اسے 'قطعہ' کہتے ہیں۔ یہ غزل یا قصیدے کی طرح قافیوں/ ردیفوں کی پابندی سے کہے جاتے ہیں مگر ان میں مطلع ہونا ضروری نہیں (ہو بھی سکتا ہے)۔

اُردو شاعری میں قطعہ بہت مقبول رہا ہے۔ بہت سے شاعروں نے صرف قطعات لکھ کر شہرت حاصل کی ہے جیسے اخترؔ انصاری، نریش کمار شادؔ وغیرہ۔ آج کل مشاعروں میں زیادہ تر شعرا اپنا کلام سنانے سے پہلے دو چار قطعات ضرور سناتے ہیں۔ اس سے قطعے کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ذوقؔ دہلوی

جان پہچان : شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ ۲۲؍اگست ۱۷۹۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھیں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے استاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ بادشاہ نے انھیں 'ملک الشعرا' اور 'خاقانیٔ ہند' کے خطابات سے نوازا تھا۔ ذوقؔ بنیادی طور پر قصیدے کے شاعر ہیں۔ سوداؔ کے بعد وہ اُردو کے سب سے بڑے قصیدہ نگار مانے جاتے ہیں۔ ۱۶؍نومبر ۱۸۵۴ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ   ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے   کیوں برا کہنے سے تو اُس کے برا مانتا ہے

وحیدالدین سلیمؔ

جان پہچان : مولوی وحیدالدین سلیمؔ ۱۸۶۹ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے پانی پت میں حاصل کی۔ پھر لاہور میں تعلیم مکمل کر کے وہیں مشرقی زبانوں کے استاد ہو گئے۔ ۱۸۹۴ء میں سرسیّد کے بلاوے پر وہ علی گڑھ آئے جہاں انھوں نے 'انجمن مترجمین' قائم کی۔ حیدرآباد میں جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام ہوا تو مولوی سلیمؔ اس کے دارالترجمہ میں ترجمہ کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے۔ یہاں انھوں نے اُردو کی اصطلاحوں پر بہت اہم کام کیے۔ 'افاداتِ سلیمؔ، افکارِ سلیمؔ' اور 'وضعِ اصطلاحات' ان کی تصانیف ہیں۔ آخری زمانے میں صحت کی خرابی کے سبب وہ ملیح آباد چلے گئے اور ۱۹۲۷ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔

کیا لے گا خاک ، مردۂ افتادہ بن کے تو   طوفان بن کہ ہے تری فطرت میں انقلاب
کیوں ٹمٹمائے کرمکِ شب تاب کی طرح   بن سکتا ہے تو اوجِ فلک پر اگر شہاب
وہ خاک ہو کہ جس سے گلے ریزہ ہائے زر   وہ سنگ بن کہ جس سے نکلتے ہیں لعلِ ناب
چڑیوں کی طرح دانے پہ گرتا ہے کس لیے   پرواز رکھ بلند کہ تو بن سکے عقاب

وہ چشمہ بن کہ جس سے ہوں سرسبز کھیتیاں
رہرو کو تو فریب نہ دے صورتِ سراب

اخترؔ انصاری

جان پہچان : اخترؔ انصاری یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء میں بدایوں (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ دہلی میں گزرا۔ انھوں نے ۱۹۲۸ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ اس زمانے کے عام رواج کے برخلاف غزل کی بجائے رباعی اور قطعہ نگاری کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اپنی شناخت قائم کی۔ ان کے شعری مجموعے 'خوناب' سے ان کی قوتِ تخیل کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے قطعات میں اس صنف کی تمام تر خوبیاں فکری اور فنی پہلوؤں کے ساتھ اُجاگر ہیں۔ ۶/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

قدم آہستہ رکھ کہ ممکن ہے — کوئی کونپل زمیں سے پھوٹتی ہو
یا کسی پھول کی کلی سرِ دست — مزے خوابِ عدم کے لوٹتی ہو

ساحرؔ لدھیانوی

جان پہچان : ساحرؔ لدھیانوی کا اصل نام عبدالحئی تھا۔ ۸/ مارچ ۱۹۲۱ء کو لدھیانہ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے فلموں میں ایک نغمہ نگار کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کی۔ ساحرؔ ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ تھے۔ 'پرچھائیاں'، 'تلخیاں اور گاتا جائے بنجارہ' ان کی غزلوں اور نظموں کے مجموعے ہیں۔ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ممبئی میں انتقال ہوا۔

نہ منہ چھپا کے جیے ہم، نہ سر جھکا کے جیے — ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جیے
اب ایک رات اگر کم جیے تو کم ہی سہی — یہی بہت ہے کہ ہم مشعلیں جلا کے جیے

عبدالحمید عدمؔ

جان پہچان : سیّد عبدالحمید عدمؔ ۱۰/ اپریل ۱۹۱۰ء کو تلونڈی موسیٰ خان، گوجراں والا (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ دوسری جنگِ عظیم تک انھوں نے فوج میں ملازمت کی۔ عبدالحمید عدمؔ کی شاعری اپنے رومانی اور منفرد انداز کے سبب بہت مقبول ہوئی۔ 'نقشِ دوام، خمِ ابرو، ساز وصدف، رمِ آہو، بربط و جام' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۰/ مارچ ۱۹۸۱ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

ساحل پہ اک تھکے ہوئے جوگی کی بنسری — تلقین کر رہی ہے کنارا ہے زندگی
طوفان میں سفینۂ ہستی کو چھوڑ کر — ملّاح گا رہا ہے کہ دریا ہے زندگی

معنی و اشارات

مردۂ اُفتادہ	-	پڑا ہوا مردہ
کرمکِ شب تاب	-	جگنو
اوجِ فلک	-	آسمان کی بلندی
شہاب	-	ستارہ
ریزہ ہائے زر	-	سونے کے ذرّات
صورتِ سراب	-	سراب کی طرح
خوابِ عدم کے مزے لوٹنا	-	مراد وجود میں نہ آنا، عدم کی نیند میں مست ہونا

6U3NVS

مشق

قطعہ نمبر۱

* قطعہ میں 'تو' سے مراد..................ہے۔

(i) سامع (ii) شاعر

(iii) پڑھنے والا (iv) پڑھانے والا

* شاعر کی نصیحت کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
* ردیف اور قافیے کو الگ کیجیے۔

قطعہ نمبر۲

* وحیدالدین سلیمؔ کے اس قطعے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* اس قطعے میں شبِ تاب، اوجِ فلک، لالۂ ناب اور صورتِ سراب کی طرح ایک اور ترکیب موجود ہے۔ اسے تلاش کر کے لکھیے۔

قطعہ نمبر۳

* 'قدم آہستہ رکھ' اس فقرے کی وضاحت کیجیے۔
* قطعے کے مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

قطعہ نمبر۴

* غیر متعلقہ ناموں کو الگ کیجیے۔

ان میں سے کون سا ساحر کا شعری مجموعہ نہیں ہے؟

(i) پرچھائیاں (ii) تلخیاں

(iii) گاتا جائے بنجارہ (iv) مشعل

* منہ چھپا کے اور سر جھکا کے جینے کا مطلب لکھیے۔
* ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جینے کو واضح کیجیے۔

قطعہ نمبر۵

* قطعے میں مذکور زندگی کے روپ کو بیان کیجیے۔
* قطعے سے دو ہم معنی الفاظ اور دو متضاد الفاظ لکھیے۔
* پہلے اور دوسرے شعر کے بنیادی فرق کو بیان کیجیے۔
* چند قطعات تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

انفارمیشن ٹکنالوجی

جب ہم 'انفارمیشن ٹکنالوجی' (IT) کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں فوراً ہی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا خیال آتا ہے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی (جسے اُردو میں 'اطلاعاتی تکنیک' کہتے ہیں) ایک وسیع تاریخی پس منظر رکھتی ہے۔ اس نظام میں کمپیوٹر کے سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کے ساتھ ڈاٹا، تصاویر، آواز وغیرہ کو انٹرنیٹ سے مربوط کیا جاتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر انفارمیشن ٹکنالوجی کی تعریف ان لفظوں میں کی جاسکتی ہے ۔

"اطلاعات کو محفوظ کرنے، بھیجنے، وصول کرنے، ان کا تعامل (پروسیسنگ) اور انھیں پیش کرنے کے لیے استعمال ہونے والی ٹکنالوجی کو انفارمیشن ٹکنالوجی کہا جاتا ہے۔"

آج کے دور میں جب ہم انفارمیشن ٹکنالوجی کا تذکرہ کرتے ہیں تو کمپیوٹر کا نام زبان پر لائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کمپیوٹر کی روز بروز بڑھتی ہوئی ترسیلی رفتار نے بہت سے ایسے کام ممکن کر دِکھائے ہیں جو اس سے پہلے یا تو ناممکن تھے یا پھر اتنے زیادہ مشکل تھے کہ انھیں کوئی انجام دینے کے بارے میں سوچنے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا۔

کمپیوٹر سائنس وہ علم ہے جس میں کمپیوٹر کے مختلف تکنیکی پہلوؤں کا احاطہ کیا جاتا ہے جیسے کمپیوٹر کا ڈیزائن (ساخت)، کمپیوٹر کے کام کرنے کا طریقہ یعنی کمپیوٹر میں ہونے والا حساب کتاب، ڈاٹا پروسیسنگ اور سسٹم کنٹرول وغیرہ۔

یوں تو کمپیوٹر سائنس کا بیشتر حصہ سافٹ ویئر ڈیزائننگ اور ان کے کام کرنے کے طریقۂ کار کو سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے لیکن کئی مواقع پر ہارڈ ویئر کا شعبہ بھی کمپیوٹر سائنس کے تحت آتا ہے۔ خصوصاً ایک موقع پر جہاں کسی سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر میں باہمی تعلق پیدا کرنا مقصود ہو۔ مثال کے طور پر پرنٹر، مانیٹر، مدر بورڈ، لین کارڈ، گرافک کارڈ وغیرہ کے لیے مخصوص سافٹ ویئرز تیار کرنے میں۔ ان آلات کو ڈرائیورز بھی کہا جاتا ہے۔

۱۱ غزلیات

اُردو شعری اصناف میں غزل کی خاص اہمیت ہے۔غزل کی مقبولیت کا بڑا سبب اس کا ایجاز و اختصار، اشاراتی اسلوب اور غنائیت ہے۔ غزل میں گونا گوں انسانی جذبوں کو کم سے کم لفظوں میں ادا کیا جاتا ہے۔کلاسک غزل میں بنیادی طور پر حسن وعشق کے معاملات اور قلبی واردات کو بیان کیا جاتا تھا مگر زمانے کے ساتھ غزل کے معنوی امکانات میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ اب غزل کسی مخصوص موضوع کی پابند نہیں رہی۔ غزل میں عشق ومحبت کے ساتھ معاشرتی، سیاسی، تاریخی اور اساطیری واقعات کو بھی موضوع بنایا جاتا ہے۔ انسانی جذبوں اور تجربوں کی جیسی رنگارنگی ہمیں اس صنف میں دِکھائی دیتی ہے کسی اور صنف میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی مقبولیت کا بڑا سبب مضامین وموضوعات کی یہی رنگارنگی اور تنوّع ہے۔

غزل کا ہر شعر اپنے آپ میں مکمل اور معنی ومفہوم کے اعتبار سے دوسرے شعروں سے جداگانہ ہوتا ہے۔غزل کی ایک مخصوص ہیئت ہوتی ہے۔اس میں مطلع، حسن مطلع، قافیہ اور ردیف وغیرہ کی خاص اہمیت ہے۔

غزل کا پہلا شعر 'مطلع' کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعوں میں قافیے کی پابندی ضروری ہے۔مثلاً غالبؔ کی غزل کا مطلع ہے ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے   آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ 'ہوا' شعری اصطلاح میں قافیہ ہے جس کی صوتی مناسبت سے دوسرے مصرع میں 'دوا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مطلع کے بعد ہر شعر کے دوسرے مصرعوں میں قافیے کی پابندی کی جاتی ہے، جیسے غالبؔ کی اُسی غزل کا ایک اور شعر ہے ؎

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار   یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

اس شعر میں 'ماجرا' قافیہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جو آہنگ کے لحاظ سے 'ہوا' اور 'دوا' سے مماثلت رکھتا ہے۔ ردیف اور قافیے کے سبب غزل میں خوش آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ مطلع کے بعد والے شعر میں اگر مطلع کی طرح دونوں مصرعوں میں قافیوں کی پابندی ہو تو 'حسن مطلع' کہلاتا ہے۔غزل میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے مگر کم سے کم پانچ اشعار کی پابندی کی جاتی ہے۔غزل کی ایک مخصوص تہذیب اور روایت رہی ہے۔

نظم کے تعارف میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ غزل نظم کی ایک صورت/ ہیئت ہے۔لیکن نظم اور غزل میں یہ اہم فرق ہے کہ نظم جو دس بیس اشعار یا بندوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس کے تمام اشعار ایک ہی موضوع سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جبکہ غزل جس میں پانچ، سات یا زیادہ اشعار ہوتے ہیں، اس کے ہر شعر کا موضوع مختلف ہوتا ہے۔یعنی غزل شاعری کی ایک ہیئتی صورت ہے۔ اس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ یہ شعر مطلع کہلاتا ہے۔ پھر بعد کے ہر شعر کے دوسرے مصرع میں مطلع کے قافیے سے ملتا دوسرا قافیہ استعمال کیا جاتا ہے۔ قافیہ کے بعد تکرار سے آنے والے لفظ کو ردیف کہتے ہیں۔غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔اس شعر کو مقطع کہتے ہیں۔

یہاں شامل سوداؔ کی غزل میں دیکھیے :

مطلع کے قافیے : کرم/ قدم

شعروں کے قافیے : ہم/ حرم/ دم وغیرہ

ردیف : دیکھتے ہیں

مقطع : آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص 'سوداؔ' استعمال کیا گیا ہے۔

6UCJXF

میں یہاں بھی ہوں... آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی

۱۔ غزل - غلام حسینؔ ایلچ پوری

عام طور پر شمالی ہند کو اُردو ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ اُردو کے اہم شعرا مثلاً میرؔ، غالبؔ، سوداؔ، دردؔ وغیرہ اسی خطے سے اُبھرے۔ اسی زمانے میں جنوبی ہند میں قلی قطب شاہ، ولیؔ دکنی اور سراجؔ اورنگ آبادی وغیرہ مشہور ہوئے۔ سیّد غلام حسین چشتی ایلچ پوری نے وسط ہند میں شعر و سخن کی شمع جلائی۔

جان پہچان : سیّد غلام حسینؔ چشتی ایلچ پوری ۱۷۱۸ء میں ایلچ پور (برار) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد غلام حسن، صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے وطن کچھوچھہ (یوپی) کو چھوڑ کر ایلچ پور میں سکونت اختیار کی تھی۔ سیّد غلام حسین پر اپنے والد کی صوفیانہ تعلیمات کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ دیگر صوفیا کی طرح وہ بھی مذہبی رواداری اور ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے۔ ان کی نظم 'یک رنگ نامہ' قومی یکجہتی کو فروغ دینے والی ہے۔ 'قلندر نامہ، اشغال نامہ، سکھی نامہ' اور 'دھونا مہ' بھی اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔ انھوں نے اُردو دیوان کے علاوہ ایک فارسی دیوان بھی چھوڑا۔ غلام حسینؔ ایلچ پوری کا انتقال ایلچ پور میں ۱۷۹۵ء میں ہوا تھا۔

دردِ دل غیر کوں بتاووں کیا | کوئی ہمدرد نئیں ، سناووں کیا
زخم سینے کے میرے ، سینے کوں | کوئی جراح نئیں ، سِلاووں کیا
گل کے پانی ہوا ہے خونِ جگر | دل کے ٹکڑے کسے دکھاووں کیا
اپنے انکھاں کی کیفیت کہہ کر | چشم نرگس کتیں رُلاووں کیا
بول سوسن ، زباں سوں حال اپنا | غنچۂ بستہ لب ہنساووں کیا
داغ سینے کا اپنے دِکھلا کر | گلِ لالہ کا دل جلاووں کیا

روسیاہی سوں رب حضور ، حسینؔ
ہات خالی ہوں ، اب لِجاووں کیا

معانی واشارات

بتاووں/ سناووں : بتاؤں/ سناؤں (غزل کے قافیوں کا املا پرانی طرز کا ہے)
نئیں - نہیں
جراح - آپریشن کرنے والا
انکھاں - آنکھیں
نرگس - ایک پھول کا نام جو آنکھ کی طرح ہوتا ہے
کتیں - کو

سوسن - ایک پھول کا نام
غنچۂ بستہ لب - منہ بند کلی
سوں - سے
رب حضور - رب کے سامنے
ہات - ہاتھ
لِجاووں - لے جاؤں

مشق

* درج ذیل شعر کا مطلب لکھیے:

زخم سینے کے میرے سینے کوں
کوئی جراح نئیں سلاووں کیا

* ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

سیّد غلام حسینؔ چشتی
↓

جائے پیدائش	والد کا نام	قومی یکجہتی والی نظم	جائے وفات
....	....	....	....

* شاعر کے دردِ دل نہ سنانے کا سبب بیان کیجیے۔
* چشمِ نرگس کے رونے کی وجہ لکھیے۔
* شعر کی تشریح کیجیے۔

داغ سینے کا اپنے دِکھلا کر
گُلِ لالہ کا دل جلاووں کیا

* شاعر کے حالِ دل سنانے سے سوسن پر ہوئے اثر کو بیان کیجیے۔
* غزل سے ایک ایسا لفظ لکھیے جس کا املا یکساں ہے مگر معنی مختلف ہیں۔
* غزل میں آئے لفظ 'گل' کو شعر کی مناسبت سے اعراب لگائیے۔
* غزل میں آنکھ کی جمع 'انکھاں' استعمال کیا گیا ہے۔ایسے دو لفظ لکھیے جن کی اس طرح جمع بنائی جاتی ہو۔
* پھولوں سے متعلق چند اشعار تلاش کرکے اپنی بیاض میں لکھیے۔
* انٹرنیٹ پر ولیؔ دکنی اور سراجؔ اورنگ آبادی کی غزلیں تلاش کیجیے۔

۲۔ غزل – مرزا محمد رفیع سوداؔ

میر تقی میرؔ اُردو کے عظیم المرتبت شاعر ہیں۔ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا ہمارے زمانے میں شاعر کتنے ہیں؟ اس کے جواب میں میرؔ نے شاعروں کی تعداد پونے تین بتائی تھی۔اس سخت انتخاب میں سوداؔ بھی شامل تھے۔

جان پہچان : مرزا محمد رفیع سوداؔ ۱۷۰۶/۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔شاہ حاتم ان کے استاد تھے جو انھیں فخر سے 'پہلوانِ سخن' کہا کرتے تھے۔بادشاہِ وقت شاہ عالم آفتاب ان سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔سوداؔ نے غزل، قصیدہ، مثنوی، ہجو اور شہر آشوب وغیرہ اصناف میں طبع آزمائی کی۔زورِ بیان، شوکتِ الفاظ اور لہجے کی بلند آہنگی ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔۲۶/جون ۱۷۸۱ء کو لکھنؤ میں سوداؔ کا انتقال ہوا۔

گدا دستِ اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

حبابِ لبِ جُو ہیں اے باغباں ہم
چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دِکھاوے
جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے
جو نامہ اسے کر رقم دیکھتے ہیں

مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سوداؔ
اسے تیرے کوچے میں کم دیکھتے ہیں

معانی واشارات

گدا	فقیر	حباب	بلبلہ
دست	ہاتھ	لبِ جُو	نہر کا کنارہ
جم	جمشید بادشاہ	رقم کرنا	لکھنا
دیر	مندر، بت خانہ	مگر	شاید
حرم	مسجد	رنجیدہ خاطر	ناراض

مشق

* نیچے دیے ہوئے لفظوں کے متضاد الفاظ غزل میں تلاش کر کے لکھیے:

اہلِ کرم ، اسلام ، دیر ، دوست

* مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سوداؔ
اسے تیرے کوچے میں کم دیکھتے ہیں
یہ شعر ہے۔

(الف) مطلع (ب) مقطع

* 'کرم، قدم، ہم، حرم، دم، رقم، کم' غزل میں یہ قافیے آئے ہیں۔ دو نئے قافیے لکھیے۔

* اشعار کی تشریح کیجیے۔

۱۔ خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دِکھاوے
جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

۲۔ غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

* 'زندگی مختصر اور ناپائدار ہے' اس مفہوم کو ادا کرنے والا شعر لکھیے۔

* خودداری اور خود اعتمادی کو ظاہر کرنے والا شعر لکھیے۔

* اپنے دوستوں کے ساتھ درج ذیل نکات پر بات چیت کیجیے۔

۱۔ زندگی میں دوست کی اہمیت وضرورت

۲۔ اپنے کسی دوست کا کوئی یادگار واقعہ

تلمیح

درج ذیل شعر کو پڑھ کر بتائیے کہ اس میں آنے والے حوالوں کا شعر سے کیا تعلق ہے۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

شاعر جب اپنے کلام میں کسی تاریخی واقعے، فرضی حکایت یا مذہبی قصے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس طرح شعر میں آنے والے حوالے کا شعر کے مفہوم سے گہرا تعلق ہوتا ہے تو شعر کی اس خوبی کو 'تلمیح' کی صنعت کہتے ہیں۔

تلمیح کے اشعار کی کچھ اور مثالیں

جاں نثارِ ازلی شیرِ دکن کا وارث
پیشواؤں کے گرجتے ہوئے رن کا وارث

تم کرو صاحب قرانی ، جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھُلا

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

کیا کہا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

* سوداؔ کی غزل میں تلمیح کا شعر تلاش کیجیے۔

۳۔ غزل - مرزا داغؔ دہلوی

یہ اُردو زبان کا جادو ہے کہ لوگ تحریر یا تقریر کے دوران اپنی بات کو پُراثر بنانے کے لیے اُردو کے اشعار استعمال کرتے ہیں۔ اس موقع پر داغؔ دہلوی کا یہ شعر بے اختیار یاد آتا ہے جو عام طور پر اُردو کی تعریف میں دہرایا جاتا ہے ۔

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ — ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

جان پہچان : نواب مرزا خان داغؔ ۲۵؍ مئی ۱۸۳۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ جب وہ چھے سات برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ داغ کو لال قلعہ میں رہنے اور وہیں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور ذوقؔ جیسا استاد بھی ملا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد نواب کلب علی خاں نے انھیں رام پور بلایا تھا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد وہ حیدر آباد آ گئے اور میر محبوب علی خاں والیِ دکن کے استاد ہوئے اور 'بلبلِ ہندوستان' اور 'فصیح الملک' کے خطابات پائے۔ ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۵ء کو حیدر آباد میں ان کا انتقال ہوا۔

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا — جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
دِل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں — اُلٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
افشائے رازِ عشق میں گو ذِلتیں ہوئیں — لیکن اُسے جتا تو دیا جان تو گیا
گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر — مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا
ہوش و حواس و تاب و تواں داغؔ جا چکے — اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

معانی و اشارات

خاطر	لحاظ، پاس	نامہ بر	پیغام پہنچانے والا
افشائے راز	بھید کھلنا	تاب	گرمی، چمک
ذِلت	بے عزّتی	تواں	طاقت، زور

مشق

* **اوپر دی ہوئی غزل میں پیش کیے گئے یہ بیانات صحیح ہیں یا غلط لکھیے :**

۱۔ شاعر جانتا ہے کہ محبوب جھوٹ بول رہا ہے۔
۲۔ محبوب شاعر کا احسان مند ہے۔
۳۔ بے عزّتی کا سامنا کرنے کے باوجود شاعر اپنی کامیابی پر خوش ہے۔
۴۔ محبوب نامہ بر سے خوش نہیں ہے اس لیے شاعر شکر ادا کر رہا ہے۔
۵۔ شاعر اپنا شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر جانے والا ہے۔

* **صحیح متبادل منتخب کیجیے۔**

۱۔ مرزا داغؔ کی جائے پیدائش ....
(i) لال قلعہ (ii) دہلی (iii) رام پور

۲۔ مرزا داغؔ کی پرورش ....
(i) دہلی (ii) لال قلعہ (iii) رام پور

۳۔ مرزا داغؔ کے استاد ....

(i) کلب علی خان (ii) مرزا خان

(iii) میر محبوب علی خان

۴۔ مرزا داغؔ خطابات سے نوازے گئے۔

(i) دو ....

(ii) ایک ....

(iii) تین ....

* **اشعار کی تشریح کیجیے۔**

(i) خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

(ii) گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

* **داغؔ دہلوی کی کوئی اور غزل تلاش کرکے اپنی بیاض میں نقل کیجیے۔**

مراعاۃ النظیر

میرؔ کا یہ شعر پڑھیے ۔

پتا پتا ، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے ،گل ہی نہ جانے ، باغ تو سارا جانے ہے

اس شعر میں پتا، بوٹا، گل، باغ کے الفاظ ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں۔یعنی ایک لفظ کی مناسبت سے دوسرا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔شعر میں لفظوں کے ایسے استعمال کو **'مراعاۃ النظیر'** کہتے ہیں یعنی مناسبت کی رعایت۔

* **اپنی پڑھی ہوئی داغؔ کی غزل میں مراعاۃ النظیر کا شعر تلاش کیجیے۔**

۴۔ غزل - ناصرؔ کاظمی

اُردو کے چند اہم شاعروں کے نام اگر پوچھے جائیں تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟ یہی نا، میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ، فیضؔ، وغیرہ۔ان میں سے ہر شاعر کا اپنا انداز ہے۔ نئے شاعروں میں جن لوگوں نے میرؔ کا انداز اور لب ولہجہ اپنایا ان میں ناصرؔ کاظمی ایک اہم شاعر ہے۔غزل کے تعارف میں بتایا گیا ہے کہ اس میں قافیے کے بعد اکثر بار بار آنے والے لفظ بھی ہوتے ہیں جنھیں ردیف کہتے ہیں۔غزل میں قافیے ہونا ضروری ہے لیکن ہر غزل میں ردیف ہونا ضروری نہیں۔ ذیل میں ایسی ہی غزل پیش ہے۔

جان پہچان : ناصرؔ کاظمی ۸/ دسمبر ۱۹۲۵ء کو انبالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد ناصر رضا تھا۔انھوں نے بی۔اے تک تعلیم پائی۔ مختلف اوقات میں رسالہ 'اوراقِ نو، خیال' اور 'ہمایوں' کی مجلسِ ادارت میں شریک رہے۔ ریڈیو میں اسٹاف آرٹسٹ کی حیثیت سے ملازمت کی۔ ۱۹۷۳ء میں لاہور میں انتقال ہوا۔'برگِ نے ، دیوان، نشاطِ خواب' اور 'پہلی بارش' ان کے شعری مجموعے ہیں۔'خشک چشمے کے کنارے' ان کے نثری مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کا لہجہ نرم، دھیما اور پرسوز ہے۔ ہندی کے کومل الفاظ کو تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔غزل کے اپنے مخصوص رنگ کی بنا پر ان کا شمار اہم ترین جدید غزل گو شاعروں میں ہوتا ہے۔۲/ مارچ ۱۹۷۲ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

سناتا ہے کوئی بھولی کہانی
مہکتے میٹھے دریاؤں کا پانی

یہاں جنگل تھے آبادی سے پہلے
سنا ہے میں نے لوگوں کی زبانی

یہاں اک شہر تھا ، شہرِ نگاراں
نہ چھوڑی وقت نے اس کی نشانی

خیالوں ہی میں اکثر بیٹھے بیٹھے
بسا لیتا ہوں اِک دُنیا سہانی

اندھیری شام کے پردوں میں چھپ کر
کسے روتی ہے چشموں کی روانی

پہاڑوں سے چلی پھر کوئی آندھی　　اُڑے جاتے ہیں اوراقِ خزانی
نئی دنیا کے ہنگاموں میں ناصرؔ
دبی جاتی ہیں آوازیں پُرانی

معانی واشارات

شہرِ نگاراں - حسینوں کا شہر | اوراقِ خزانی - خزاں رسیدہ پتے

مشق

* غزل کے حوالے سے درج ذیل کے کام بیان کیجیے۔
  ا۔ دریاؤں کا پانی　۲۔ چشموں کی روانی
  ۳۔ شاعر
* شعر کی تشریح کیجیے۔
  اندھیری شام کے پردوں میں چھپ کر
  کسے روتی ہے چشموں کی روانی
* اپنے پسندیدہ دو غزل گو شعرا کے دو دو اشعار لکھیے۔
* ناصرؔ کاظمی کی غزل کی خوبیاں بیان کیجیے۔

۵۔ غزل - کلیم عاجزؔ

پہلی بات : عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عقل مند کو اشارہ کافی ہے۔غزل میں شاعر اشاروں میں کبھی بڑی گہری بات کہہ جاتا ہے،کبھی اپنے دل کا حال بیان کر جاتا ہے۔ بادشاہوں کے دور میں کسی کی کیا مجال جوان کے خلاف لب کشائی کرے۔اس زمانے میں شاعر اپنے کلام میں محبوب کی زیادتیاں بیان کیا کرتا تھا مگر واقعتہً وہ حکمرانوں کے ظلم وستم کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ یہ روایت غزل میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اشارے اتنے بلیغ ہوا کرتے ہیں کہ ان اشعار کو ہر اس شخص کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے جن کی زیادتیوں کو بیان کرنا ہے۔
کلیم عاجزؔ کی یہ غزل اسی مزاج اور رنگ وآہنگ کی حامل ہے۔ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎
دامن پہ کوئی چھینٹ ، نہ خنجر پہ کوئی داغ　　تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

جان پہچان : کلیم عاجزؔ ۱۱؍اکتوبر ۱۹۲۴ء کو تلہارا ضلع نالندہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم پٹنہ مسلم اسکول میں مکمل کی۔ پھر پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔کلیم عاجزؔ نے ملک اور بیرونِ ملک کے اہم مشاعروں میں اپنا کلام سنایا۔'جب فصلِ بہاراں آئی تھی، وہ جو شاعری کا سبب ہوا (شاعری)، جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی (خودنوشت)، یہاں سے کعبہ، کعبہ سے مدینہ (سفرنامہ)' ان کی مشہور تصانیف ہیں۔۱۹۸۲ء میں حکومتِ ہند نے انھیں پدم شری کے اعزاز سے نوازا۔۱۵؍فروری ۲۰۱۵ء کو ہزاری باغ میں ان کا انتقال ہوا۔

میرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو　　مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو
دن ایک ستم ، ایک ستم رات کرو ہو　　وہ دوست ہو ، دشمن کو بھی تم مات کرو ہو
ہم خاک نشیں ، تم سخن آرائے سرِ بام　　پاس آ کے ملو ، دُور سے کیا بات کرو ہو
ہم کو جو ملا ہے وہ تمھیں سے تو ملا ہے　　ہم اور بھلا دیں تمھیں ، کیا بات کرو ہو

یوں تو ہمیں منہ پھیر کے دیکھو بھی نہیں ہو — جب وقت پڑے ہے تو مدارات کرو ہو
دامن پہ کوئی چھینٹ ، نہ خنجر پہ کوئی داغ — تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو
بکنے بھی دو عاجزؔ کو جو بولے ہے ، بکے ہے
دیوانہ ہے ، دیوانے سے کیا بات کرو ہو

معانی واشارات

کرو ہو - کرتے ہو | سخن آرائے سرِبام - چھت یا بلندی سے بات کرنا

مشق

* صحیح مصرعوں کی جوڑیاں لگائیے :

ستون 'الف'	ستون 'ب'
۱۔ میرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو	پاس آ کے ملو، دوٗر سے کیا بات کرو ہو
۲۔ دن ایک ستم ، ایک ستم رات کرو ہو	جب وقت پڑے ہے تو مدارات کرو ہو
۳۔ ہم خاک نشیں ، تم سخن آرائے سرِ بام	مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو
۴۔ یوں تو ہمیں منہ پھیر کے دیکھو بھی نہیں ہو	وہ دوست ہو، دشمن کو بھی تم مات کرو ہو

* کلیم عاجزؔ کے شخصی خاکے کو مکمل کیجیے۔

کلیم عاجز

جائے پیدائش	یونیورسٹی	ایوارڈ	جائے وفات
....	....	....	....

تصنیفات

شعری		نثری	
....	....	....	....

* کہاوت 'ہماری بلی ہمیں سے میاؤں' کے مفہوم والے شعر کو تلاش کر کے لکھیے۔
* دو دو متضاد الفاظ والا شعر لکھیے۔
* خاک نشین اور سرِ بام کے تعلق کو واضح کیجیے۔
* مدارات کرنے کی وجہ لکھیے۔

* شعر کی تشریح کیجیے۔

دامن پہ کوئی چھینٹ ، نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

* درج ذیل مفہوم کا شعر غزل سے نقل کیجیے۔

میری اپنی کسی بھی اچھی بری چیز یا حالت کی وجہ تم ہو، ہم تمھیں بھلا دیں یہ ہو نہیں سکتا۔

* تین خالی کالموں میں تین ایسے حروف لکھیے جن سے غزل کی چار قافیے تیار ہو جائیں۔

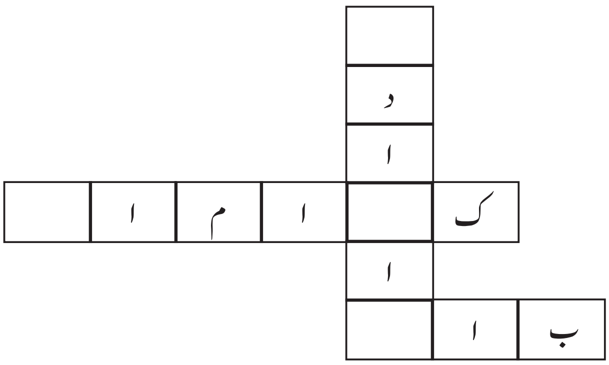

* غزل کے چوتھے شعر میں 'کیا بات کرو ہو' کے مفہوم کا صحیح متبادل لکھیے۔

(الف) بات مت کرو (ب) ایسا نہیں ہوسکتا

(ج) بات کرنا مشکل ہے

* آپ جانتے ہیں کہ غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیے ہوں تو اس شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ غزل کے دوسرے شعر میں بھی مطلع کی طرح قافیے ہوں تو استاد سے ایسے شعر کا اصطلاحی نام معلوم کیجیے۔

* کلیم عاجزؔ کی غزل میں ایسے شعر کے قافیے اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔

* لفظ 'دوست' سے متعلق اشعار جمع کرکے یاد کیجیے۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.sherosokhan.com

صنعتِ تضاد

میرؔ کی مثنوی کے یہ مصرعے دیکھیے

بیٹھے اُٹھتے نہیں ہیں بام و در
ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے
تر ہیں جو خشک اور تروں میں ہیں
جزر و مد ، جس کا تا فلک جا ہے

ان میں 'اُٹھتے - بیٹھتے، رحمت - زحمت، تر - خشک، جزر - مد' الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جب شعر میں ایسے متضاد الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس صنعت کو 'تضاد' کہتے ہیں۔

* سوداؔ کی غزل میں تضاد کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

* کلیم عاجزؔ کی غزل میں تضاد کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

* دیوانِ غالبؔ سے کوئی ایسی غزل تلاش کرکے لکھیے جس میں قافیے ہوں، ردیف نہ ہوں۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

۶۔ غزل - مجروحؔ سلطان پوری

شاعری ہمارے اندر جینے کی اُمنگ اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی پیدا کرتی ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اس شعر کے خالق ہیں مجروحؔ سلطان پوری۔

جان پہچان : مجروحؔ سلطان پوری کا اصل نام اسرار الحسن خان تھا۔ وہ یکم اکتوبر ۱۹۱۹ء کو سلطان پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرکے انھوں نے عالم کی سند حاصل کی تھی۔ مجروحؔ سلطان پوری مشہور ترقی پسند شاعر ہیں۔ انھوں نے کئی فلموں کے لیے گیت بھی لکھے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں انھیں 'دادا صاحب پھالکے ایوارڈ' سے نوازا گیا۔ اس انعام کو حاصل کرنے والے وہ اوّلین فلمی نغمہ نگار تھے۔ ان کی شاعری میں لب ولہجہ کی بلند آہنگی کے ساتھ جوش وخروش پایا جاتا ہے۔ 'غزل' اور 'مشعلِ جاں' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۲۴ رمئی ۲۰۰۰ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

تقدیر کا شکوہ بے معنی ، جینا ہی تجھے منظوٗر نہیں
آپ اپنا مقدر بن نہ سکے ، اتنا تو کوئی مجبوٗر نہیں

یہ محفلِ اہلِ دل ہے ، یہاں ہم سب مے کش ، ہم سب ساقی
تفریق کریں انسانوں میں ، اس بزم کا یہ دستوٗر نہیں

جنت بہ نگہ تسنیم بہ لب انداز اس کے اے شیخ نہ پوچھ
میں جس سے محبت کرتا ہوں ، انساں ہے خیالی حوٗر نہیں

وہ کون سی صبحیں ہیں جن میں بیدار نہیں افسوں تیرا
وہ کون سی کالی راتیں ہیں جو میرے نشے میں چوٗر نہیں

سنتے ہیں کہ کانٹے سے گل تک ہیں راہ میں لاکھوں ویرانے
کہتا ہے مگر یہ عزمِ جنوں ، صحرا سے گلستاں دوٗر نہیں

مجروٗح اُٹھی ہے موجِ صبا ، آثار لیے طوفانوں کے
ہر قطرۂ شبنم بن جائے ، اک جوئے رواں کچھ دوٗر نہیں

معانی و اشارات

جنت بہ نگہ	-	نگاہوں میں جنت	افسوں	-	جادو
تسنیم	-	جنت کی ایک نہر	جوئے رواں	-	بہتا دریا

مشق

✻ نیچے دیے ہوئے لفظوں میں غیر متعلق لفظ تلاش کیجیے :

۱۔ مے کش ساقی مدرسہ محفل
۲۔ تسنیم زمزم جنت حور
۳۔ گل گلستاں شبنم صحرا
۴۔ جامِ جم موجِ صبا جوئے رواں چشمۂ زمزم

✻ درج ذیل شعر کا مطلب بیان کیجیے :

تقدیر کا شکوہ بے معنی جینا ہی تجھے منظور نہیں
آپ اپنا مقدر بن نہ سکے اتنا تو کوئی مجبور نہیں

✻ ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ قطرۂ شبنم اور جوئے رواں کے فرق کو واضح کیجیے۔
۲۔ غزل کے حوالے سے 'محفلِ اہلِ دل' کی خصوصیت بیان کیجیے۔
۳۔ انسان کو آزاد رہنے کی تلقین کرنے والے شعر کو نقل کیجیے۔
۴۔ 'کہتا ہے مگر یہ عزمِ جنوں، صحرا سے گلستاں دور نہیں' اس مصرعے کو نثر میں تبدیل کیجیے۔

✻ غزل کے حوالے سے لاکھوں ویرانوں اور صحرا کی مصیبتوں کو ختم کرنے والے لفظ کو لکھیے۔

✻ ایسا مصرع یا شعر نقل کیجیے جس میں متضاد الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

✻ غزل کے ردیف اور قافیوں کو الگ الگ لکھیے۔

۷۔ غزل - ساجدہ زیدی

بے شمار بلند پایہ ادیبوں اور شاعروں نے اُردو زبان و ادب کی ترقی میں اپنی گراں قدر خدمات پیش کی ہیں۔سخنوروں کے اس قافلے میں ہمیں کئی شاعرات کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ مہ لقا بائی چنداؔ، پروینؔ شاکر، کشور ناہیدؔ، فہمیدہ ریاضؔ، آداؔ جعفری، عذرا پروینؔ، شفیق فاطمہ شعریٰؔ، ساجدہؔ زیدی، زاہدہؔ زیدی، رفیعہ شبنمؔ عابدی، شبنمؔ عشائی، وغیرہ۔ ان شاعرات کی سوچ، احساسات، اندازِ بیاں اور اسلوب نے اُردو شاعری کو نئے رنگ و آہنگ سے روشناس کرایا ہے۔

جان پہچان : ساجدہؔ زیدی ۱۹۲۶ء میں پانی پت میں پیدا ہوئیں۔ وہ ادیبہ، شاعرہ اور ماہرِ تعلیم بھی تھیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیمات میں انھوں نے درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ انھیں دہلی اُردو اکادمی نے بہادر شاہ ظفرؔ ایوارڈ سے نوازا تھا۔ 'جوئے نغمہ، آتشِ سیال، سیلِ وجود' اور 'آتشِ زیرِ پا' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'مٹی کے حرم' اور 'موجِ ہوا پیچاں' ان کے ناول ہیں۔ 'تلاشِ بصیرت' اور 'گزرگاہِ خیال' ان کی تنقیدی کتابیں ہیں۔ انھوں نے مغربی فلسفیوں کی بہت سی تحریروں کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے منظوم ڈراما بھی لکھا۔ ۱۱؍ مارچ ۲۰۱۱ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

عہدِ غم ، موسمِ گل ، حرفِ وفا یاد نہیں
کیا بتائیں تجھے اے دل ہمیں کیا یاد نہیں

جس نے کہرام سا سینے میں مچا رکھا تھا
اب تو اس دل کے دھڑکنے کی ادا یاد نہیں

قافلہ تھا کہ نہیں ، ہم سفراں تھے کہ نہیں
کوئی آوازِ درا ، کوئی صدا یاد نہیں

تیرا بسنا تو کہاں یاد ہو اس موسم میں
دلِ وحشی ترے لُٹنے کی فضا یاد نہیں

کیا کریں شکوۂ اربابِ سیاست ، اے دل
دوست داروں کی عنایت کا گِلہ یاد نہیں

دے تو سکتے تھے جوابِ ستمِ دوست مگر
کیا کریں ، ہم کو کوئی طرزِ جفا یاد نہیں

کون تھے ، کیا تھے ، کہاں تھے ، ہمیں کس کی تھی طلب
خود ہمیں اپنی ہی ہستی کا پتا یاد نہیں

معانی و اشارات

حرفِ وفا - مرادِ محبت
ہم سفراں - ہم سفر کی جمع
دلِ وحشی - پاگل دل
درا - گھنٹی
شکوۂ اربابِ سیاست - سیاست دانوں کی شکایت
طرزِ جفا - ظلم کا طریقہ

٭ ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعرہ نے دوستوں کے دیے ہوئے دکھ درد کا جواب نہیں دیا، وجہ لکھیے۔

۲۔ غزل کے حوالے سے 'دوست داروں کی عنایت' کا مطلب لکھیے۔

۳۔ 'جس نے کہرام سا سینے میں مچا رکھا تھا' کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

۴۔ صحیح متبادل کا انتخاب کیجیے:

غزل میں شاعرہ کا مخاطب (دل، دوست، محبوب، دشمن)

٭ شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

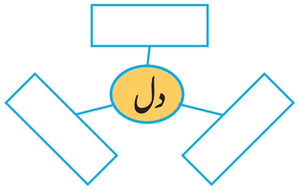

٭ غزل سے ہم معنی لفظوں کی دو جوڑیاں لکھیے۔

٭ غزل سے زیرِ اضافت والے الفاظ لکھیے۔

٭ غزل کے قافیوں کو حروفِ تہجی کی ترتیب میں لکھیے۔

٭ غزل کے قافیوں میں دو نئے لفظوں کا اضافہ کیجیے۔

٭ یہاں چند شعرا کے نام دیے ہوئے ہیں۔ آپ ان کے تخلص تلاش کر کے ان کے نام کے آگے لکھیے۔

ع	ا	ن	ی	س	و	د	ا	غ	م
د	ب	د	ج	ا	ق	ب	ا	ل	ص
م	ج	ر	و	ح	س	ر	ت	پ	ح
و	گ	د	ش	ر	ت	ذ	و	ق	ف
م	ر	ث	ف	ی	ض	ن	م	ت	ی
ن	ا	ص	ر	ج	د	ظ	ج	ی	ا
چ	ک	غ	ا	ل	ب	ی	ا	ل	س
و	ب	ش	ز	م	ی	ر	ز	ش	ش
ل	ر	ا	ظ	ف	ر	ا	ق	و	ا
ی	ز	د	س	ر	ا	ج	ہ	ق	ذ

- عبدالحمید ....
- شیخ محمد ....
- ابوظفر سراج الدین محمد ....
- میر تقی ....
- سیّد شاہ ....اورنگ آبادی
- مرزا اسداللہ خاں ....
- احمد ....
- فیض احمد ....
- شیخ محمد ابراہیم ....دہلوی
- میر ببر علی ....

- سیّد ناصر رضا ....کاظمی
- نواب مرزا خاں ....دہلوی
- مرزا محمد رفیع ....
- عبدالحئی ....لدھیانوی
- رگھوپتی سہائے ....گورکھپوری
- اسرارالحق ....لکھنوی
- سیّد ولی محمد ....اکبر آبادی
- ولی محمد ....اورنگ آبادی

- شبیر حسن خان ....ملیح آبادی
- سیّد خواجہ میر ....
- شیخ غلام ہمدانی ....
- محمد مومن خاں ....
- سیّد فضل الحسن ....موہانی
- علی سکندر ....مرادآبادی
- اسرارالحسن خاں ....سلطان پوری
- سیّد اکبر حسین ....الٰہ آبادی

- سیّد فصیح الدین ....تمکنت
- احمد علی ....قدوائی
- مرزا واجد حسین ....یگانہ چنگیزی
- اورنگ زیب ....شفائی
- مرزا سلامت علی ....
- سیّد علی محمد ....عظیم آبادی

اضافی مطالعہ

مختصر افسانہ

کہانی کہنے اور سننے کی روایت قدیم زمانے سے قائم ہے۔ مختصر افسانہ اسی قدیم کہانی کی جدید شکل ہے۔ اگرچہ اس کی موجودہ ہیئت (فارم) ہم نے مغرب سے لی ہے مگر آج مختصر افسانہ اُردو ادب کی ایک مقبول ترین صنف تسلیم کی جا چکی ہے۔ مختصر افسانے میں زندگی کے کسی ایک پہلو یا کسی ایک واقعے کو ایجاز و اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ پلاٹ، کردار، مکالمے، نقطۂ نظر، پس منظر اور زبان و بیان کی شگفتگی مختصر افسانے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ان اجزا کے توازن اور تناسب سے افسانے کی تشکیل ہوتی ہے۔ بدلتے حالات کے زیرِ اثر افسانے کی تکنیک میں کئی تبدیلیاں کی گئیں لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود آج بھی مختصر افسانہ اسی 'بیانیہ' کی بنیاد پر کھڑا نظر آتا ہے جس کی داغ بیل سو برس پہلے پریم چند نے ڈالی تھی۔

یہاں مہاراشٹر کے تین منتخب افسانہ نگاروں کی نگارشات پیش کی جا رہی ہیں۔ مہاراشٹر کی ریاستی زبان مراٹھی ہے مگر یہاں کی تاریخ و ثقافت میں اُردو زبان و ادب کا بھی خاصا حصہ ہے، خاص طور پر ممبئی میں اُردو مختصر افسانے کی ایک مستحکم روایت ابتدا سے قائم ہے۔ ممبئی اور مہاراشٹر کے دیگر علاقوں اور شہروں کے افسانہ نگاروں پر وہاں کی بولی ٹھولی، معاشرت اور رسم و رواج کے اثرات نمایاں ہیں۔

یہاں اضافی مطالعے کے تحت طلبہ کے معیار اور مزاج کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایسے تین افسانوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن کے مطالعے سے طلبہ اُردو افسانے کی عمومی صورتِ حال سے واقف ہو سکتے ہیں۔

میں یہاں بھی ہوں...

- آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی

انٹرنیٹ کی دنیا سے

www.allurdubooks.blogspot.in/p/urdu

۱ آخری خواہش

انور قمر

جان پہچان : انور قمر ۵؍فروری ۱۹۴۱ء کو ناشک میں پیدا ہوئے۔ ممبئی میں تعلیم حاصل کی۔ تیس برس تک کیٹرنگ کے پیشے سے وابستہ رہے۔ ۱۹۷۰ء کے بعد کے افسانہ نگاروں میں اُن کا ایک منفرد اور نمایاں مقام ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں سماج کے متوسط اور نچلے متوسط طبقے کے نادار، مظلوم اور مجبور افراد کے مسائل کو نہایت چابک دستی سے پیش کیا ہے۔ انسانی نفسیات کی گرہ کشائی میں انھیں خاصی دسترس حاصل ہے۔ زندگی اور سماجی مسائل سے جڑے ان کے افسانوں میں سیاسی اور معاشرتی بصیرت کے ساتھ رمزیت اور اشاریت کا پہلو بھی بہت نمایاں ہے۔ 'چاندنی کے سپرد، چوپال میں سنا ہوا قصہ، کلر بلائنڈ' اور 'جہاز پر کیا ہوا؟' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ مہاراشٹر اُردو ساہتیہ اکیڈمی نے انھیں انعام سے نوازا ہے۔ 'آخری خواہش' انور قمر کے چوتھے مجموعے 'جہاز پر کیا ہوا؟' میں شامل ہے۔ افسانہ بظاہر سادہ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ سزائے موت پانے والے کردار کی آخری خواہش بھی بہت معمولی ہے مگر اس معمولی خواہش کے پس پردہ انسانی زندگی کی المناکی، بے وقعتی اور محرومی کو اس فنکارانہ خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ افسانے کے اختتام پر قاری تڑپ اُٹھتا ہے۔ اپنی سادگی اور پُرکاری کے سبب یہ افسانہ قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے اور یہی اس افسانے کی خوبی ہے۔

''ہجور! آخری خواہش تو یہ ہے کہ مجھے آپ پھانسی پر لٹکانے سے پہلے بہت سا دال بھات کھانے کو دے دیں۔''

انگریز مجسٹریٹ نے جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو مجرم کی آخری خواہش پوری کرنے کا حکم صادر فرمایا اور 'کورٹ اِز اڈجرنڈ' کہہ کر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

'پرما' جو اڑیسہ کے جنگلوں میں بسے ادی باسیوں کے قبیلوں میں سے کسی ایک کا فرد تھا، اپنے جھونپڑے کے باہر بیٹھا ناریل کے پتوں اور بانس کی پھچیوں سے ٹوکریاں بناتا تھا۔ وہ تمام ادی باسیوں کی طرح صرف ایک بالشت کپڑے سے اپنے نچلے بدن کو ڈھانکے رہتا۔ اس کے گلے میں رنگ برنگ پتھروں کی مالائیں پڑی رہتیں۔ چہرے کو وہ سرخ، سبز اور سفید رنگ سے یوں پینٹ کیا کرتا تھا کہ وہ رنگ گویا اُس کی آبائی شناخت کے مظاہر ہوں۔ وہ دبلا پتلا اور لمبا شخص تھا۔ عمر چالیس کے قریب رہی ہوگی۔ جب شکار کے پیچھے دوڑتا تو نشیب و فراز کا فرق مٹ جاتا۔ اُس کی رفتار میں کمی نہ آتی۔ راہ میں آنے والے پودوں پر سے وہ قلانچ مار کر گزر جاتا۔ پیڑ کی جھکی ہوئی ٹہنیوں کو دور ہی سے دیکھ کر، جھک کر، ہاتھوں کو ٹیک کر، چوپایوں کا سا پوز اختیار کر لیتا اور اس کے نیچے سے نکل جاتا۔ سبزیاں، پرندوں کا گوشت اور چاول اس کی غذا تھی لیکن فاقے بھی کرنا پڑتے تھے۔ چاول ہوتے تو سبزیاں نہیں پکتیں، پرندہ ہوتا تو چاولوں سے محروم رہتا۔ کبھی کبھار ہی اُسے پیٹ بھر کھانا نصیب ہوتا۔ جنگلوں میں جڑی بوٹیاں کثرت سے ہوا کرتی ہیں۔ یہ ان کو بھوُن بھان کر کھا لیا کرتا تھا۔

جیل سپرنٹنڈنٹ نے اگلے دن تڑکے ہی پھانسی دینے سے پرما کو واقف کر دیا۔ پرما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سپرنٹنڈنٹ عبدالرزّاق خان دراز قد چوڑا چکلا شخص تھا جس کی گھنی اور پیچ دار مونچھیں اور گول بادامی رنگ کے شیشوں کی عینک اُسے خطرناک حد تک بارعب بنائے ہوئے تھی۔ اُس کے آفس میں سیلن، پرانے کاغذوں اور فائلوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے شیشم کا سیاہ گول ڈنڈا ہاتھوں میں مانجھے کی پھرکی کی طرح گھماتے ہوئے پوچھا، ''تجھے کھانا کب دیا جائے؟''

''پھانسی سے پہلے۔''

''رات کو باورچی خانہ بند ہوتا ہے۔ شام کو پکا کر رکھا ہوا کھا لے گا؟''

''کھانے کو تو میں کئی دن کا باسی کھا لوں گا۔ مگر چونکہ یہ آخری بھوجن ہوگا اس لیے گرما گرم کھانے کو جی چاہتا ہے ورنہ کوئی بات نہیں۔''

''ٹھیک ہے! کتنا کھائے گا؟''

یہ کہہ کر عبدالرزّاق خان نے اپنے چمڑے کے جوتوں سمیت پیر اونچے ٹیبل پر رکھ دیے۔ پرما کرسی پر ٹیبل کی دوسری جانب اُکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ پرما نے دونوں ہاتھ پھیلا کر چاول کی مقدار بتائی، ''اِتنا...''

''اور دال؟''

پرما نے بالٹی کا بطورِ ظرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ پھر اُس کے تلے سے اوپر تک بھرے رہنے کا اشارہ کیا۔ عبدالرزّاق خان نے چشمے کی بادامی کانچ کے اوپر سے اُسے گہری نظر سے دیکھا۔ گویا وہ اتنی بڑی مقدار میں دال بھات طلب کرنے کا اصل سبب جاننا چاہتا ہو۔ ''اتنا کھا لے گا تو؟''

پرما نے دوبارہ اثبات میں گردن ہلا دی۔

اگلے دن پھانسی تھی۔ پرما کے سر کے بال اُسترے سے اُتارے گئے۔ داڑھی بنائی گئی، قیدیوں کی نئی وردی پہننے کو دی گئی۔ کوئی اس کے مذہب سے واقف نہ تھا۔ پرما خود واقف نہ تھا۔ چنانچہ پادری، مولوی، پنڈت اور بودھ بھکشو کو بلایا گیا۔ چاروں نے اپنے اپنے طرز پر اُس کی نجات کی دعا کی۔ اسے اپنی اپنی مذہبی زبان میں آخرت پر بھروسا اور گناہ کی بخشش کے لیے دعا مانگنے کی صلاح دی اور چلے گئے۔

مگر جانے سے پہلے بودھ بھکشو نے عبدالرزّاق خان سے پوچھا، ''کیا آپ ہمیں بتانا گوارا فرمائیں گے کہ اسے کس گناہ کی پاداش میں سزائے موت دی جارہی ہے؟''

''اُس نے ایک انگریز کا قتل کیا تھا۔''

''انگریز کا قتل! مگر کیوں؟''

عبدالرزّاق خان نے اُس کے ساتھ جیل کو محیط اونچی مضبوط اور طویل دیوار کے پھاٹک پر رُکتے ہوئے کہا، ''ایک روز یہ بیٹھا ٹوکری بنا رہا تھا کہ اس کی بیٹی نے گھنے پودوں کے پیچھے چمکتی ہوئی آنکھوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بابا وہ ہرن مجھے لا دے۔ پرما بیٹی پر جان نثار کرتا تھا۔ مسکراتا ہوا اُٹھا اور دوڑ پڑا ہرن پکڑنے کو۔ کافی دور تک اُس نے ہرن کا پیچھا کیا۔ قریب تھا کہ یہ اُسے پکڑ لیتا کہ ٹھائیں کی آواز ہوئی اور ہرن گر کر تڑپنے لگا۔

پرما نے دیکھا کہ ایک انگریز بندوق اُٹھائے دو مقامی لوگوں کے ساتھ ہرن کی طرف چلا آرہا ہے۔ پرما نے ہرن کی تڑپ اور آنکھوں سے غم و حسرت کا دھواں اُٹھتا دیکھا تو اُسے غصہ نہیں آیا بلکہ بس ایک خیال آیا۔ اُس نے وہاں پڑا ہوا پانچ سیر کا پتھر اُٹھا کر انگریز شکاری کے مستک پر دے مارا۔ چوٹ ایسی شدید تھی کہ موقعِ واردات پر ہی اس کی موت ہوگئی۔''

جیل کے پھاٹک کے پیٹ میں بنا چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ چاروں جیل سپرنٹنڈنٹ سے ہاتھ ملا کر یکے بعد دیگرے باہر چلے گئے۔ ان چاروں کے دلوں کو یہ خیال صدمہ پہنچا رہا تھا کہ انھوں نے جس کی نجات اور بخشش کے لیے دعا کی تھی کیا وہ واقعی میں قصوروار اور سزائے موت کا مستحق تھا؟

کوّے تو پتا نہیں کیا دیکھ کر کائیں کائیں کرنے لگتے ہیں مگر مرغ ایسی غلطی نہیں کرتے۔ جب تک تڑکا نہ ہو، بانگ نہیں دیتے۔ پرما سویا کہاں تھا؟ رات بھر جاگتا رہا تھا۔ اسے اپنی زندگی کے سخت اور کٹھور، شادمانی اور آنند کے دن یاد آئے۔ ماں کے دیہانت کا دن،

باپ کو سانپ کے کاٹنے اور اُس کے تڑپ کر مر جانے کا دن، بیوی سے بیاہ کا دن، بچی کی پیدائش کا دن، پھر اُسے یاد آیا کہ اُس کے جسم کے تمام اعضا جیل کی مہینے بھر کی قید کے ماحول میں سکڑ سمٹ کر رہ گئے ہیں۔

راہ داری میں سپاہیوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ تین تھے۔ ایک نے بڑا پتیلا کپڑے کی مدد سے پکڑ رکھا تھا، دوسرا بالٹی اُٹھائے ہوئے تھا۔ دونوں ظروف ڈھکے ہوئے تھے۔ جب اُن پر سے ڈھکن ہٹائے گئے تو تازہ پکے ہوئے دال چاول کی بھاپ کے ساتھ ان میں بسی ہوئی سوندھی سوندھی خوشبو کمرے میں پھیل گئی۔ اُنھوں نے ایک ٹاٹ بچھا کر ایک ایلومینیم کی بڑی سی رکابی رکھ دی۔ پانی کی صراحی اور گلاس بھی پاس ہی رکھ دیا۔

پرما نے اُن کے رویے میں تبدیلی دیکھی۔ آج اُن کے کھانا پروسنے کا انداز خاصا مہذبانہ تھا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ یوں دیتے تھے جیسے کتوں کو راتب دے رہے ہوں۔

اُس نے تھوڑے سے دال چاول رکابی میں ڈال کر کھا لیے۔ جی نہ بھرا تو اور کھائے پھر اور... گویا آج ہی اُسے پیٹ بھر کھانا نصیب ہوا ہو! اُس کے باوجود بہت سا دال بھات بچ گیا۔ اُس نے اسے احتیاط سے ڈھک دیا۔ گلے میں سے رنگ برنگی پتھروں کی مالائیں نکالیں، کلائی پر سے لوہے کا کنگن اُتارا، کان میں پڑے ہوئے سوراخوں میں سے کوڑیوں اور ہاتھی دانت کے حلقے نکالے۔ وہ کپڑا بھی اُس نے دھو کر خشک کر کے احتیاط سے رکھا تھا جسے وہ اپنا ستر چھپانے کے لیے باندھا کرتا تھا۔ اُس نے کل شام ہی کو یہ تمام چیزیں سپرنٹنڈنٹ کی کسٹڈی سے التجا کر کے منگوالی تھیں۔ اس نے ان کو کھانے کے برتنوں کے اطراف یوں سجا کر رکھ دیا تھا گویا ہر چیز اس کے قبضے اور تصرّف میں ہو۔

پھانسی کھڑی ہو چکی تھی۔ جلّاد پھانسی کی ٹکٹکی سے بندھی رسّی کو بار بار کھینچ کر اُس کی مضبوطی کو جانچ رہا تھا۔

عبدالرزّاق خان کے نعل لگے ہوئے جوتوں کی آواز راہ داری میں گونجی۔ تالا کھولا گیا۔ لوہے کا دروازہ کُھلا۔

''پرما چلیں۔ پھانسی کھڑی ہو چکی ہے۔ تڑکا ہونے والا ہے۔''

پرما نے حسبِ معمول اثبات میں گردن ہلا دی۔ پھر فرش پر رکھی ہوئی تمام اشیا کی جانب اُنگلی سے اشارہ کرتا ہوا بولا، ''سرکار! یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں میری ہیں، ہیں نا؟''

خان نے اثبات میں گردن ہلا کر ''ہوں'' کہا۔

پھر اُس نے دونوں برتنوں پر سے ڈھکن ہٹایا۔ اُن میں دال چاول رکھے ہوئے تھے۔

''اور ساب! یہ کھانا؟''

''یہ بھی تمھارے لیے ہی پکایا گیا تھا۔''

''تو پھر میرا ہوا نا؟''

''ٹھیک ہے تمھارا سہی۔''

''تو سرکار! ایک کرم کیجیے گا۔ میری لاش کو لینے کے لیے میری بیوی، میری بیٹی، میرا بھائی وغیرہ آنے والے ہیں۔ یہ بات انھوں نے مجھے پھانسی کی سزا دیے جانے کے دن عدالت میں بتائی تھی۔''

''ہوں'' سپرنٹنڈنٹ خان کے منہ سے پھر نکلا۔

''تو صاحب! ان چیزوں کے ساتھ یہ کھانا بھی اُن کو دے دیجیے گا۔''

6ULFZ3

۲ ۱۹/ مارچ ۲۱۵۰ء

نورالحسنین

جان پہچان : نورالحسنین ۱۹/ مارچ ۱۹۵۰ءکو اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد نورالحسنین نقشبندی ہے۔ انھوں نے اُردو سے ایم۔اے کیا۔ چند سال تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ بعد میں آکاش وانی میں اناؤنسر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 'سمٹتے دائرے'، مورقص اور تماشائی، گڑھی میں اُترتی شام' اور 'فقط بیان تک' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ بچوں کے لیے کہانیاں اور ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ 'اہنکار، ایوانوں کے خوابیدہ چراغ اور چاند ہم سے باتیں کرتا ہے' ناول ہیں۔ اُن کی کتابوں پر کئی انعامات مل چکے ہیں۔ مہاراشٹر اُردو ساہتیہ اکیڈمی نے انھیں 'شاہ سراج اورنگ آبادی ریاستی انعام' سے بھی نوازا ہے۔ نورالحسنین کے ناولوں اور افسانوں میں ماضی کی صدائے بازگشت واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ اُنھوں نے اپنے افسانوں کے موضوعات اپنے اطراف کی معاشرتی، تہذیبی اور رومانوی زندگی سے اخذ کیے ہیں۔ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی پاسداری بھی اُن کے افسانوں کا ایک اہم موضوع ہے۔ اُردو میں 'سائنس فکشن' پر بہت کم لکھا گیا ہے۔

زیرِ نظر افسانہ '۱۹/ مارچ ۲۱۵۰ء' میں نورالحسنین نے بڑی مہارت سے سائنس اور تکنالوجی کی ارتقائی صورت کو پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی افسانے میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ کہیں ترقی کے جنون میں ہم پرانے زمانے کی صالح قدروں کو تو فراموش نہیں کرتے جا رہے ہیں؟

خضر میاں نے بٹن دبایا اور اسکرین پر ۱۹/ مارچ ۲۱۵۰ء کی تاریخ منہ چڑھانے لگی۔ اُنھوں نے گردن اونچی کی اور ۱۷۵/ منزلہ عمارت کے فلیٹ نمبر ایک کی کھڑکی میں سے نیچے دیکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ بھی دِکھائی نہیں دیا۔ اُنھوں نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا، آج میری ۱۶۶/ ویں سالگرہ ہے لیکن منانے کے لیے اس وقت کوئی بھی میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں مبارکبادیوں کے پیغامات خوب مل رہے ہیں۔ اُنھوں نے البم کو کلک کیا اور اُن کے سامنے اُن کی بیوی کی تصویر آ گئی اور اُن کے منہ سے نکلا، ''کیا یہ ضروری تھا کہ تم بھی مجھے چھوڑ کر پلوٹو کے شہر زم زم زاں میں ڈاکٹری کرو؟ اور وہ نالائق بھی میری مرضی کے خلاف مریخ کی کسی دور افتادہ بستی میں اپنی بیوی کے ساتھ آباد ہو گیا۔ پورے پندرہ برس ہو گئے اور میں یہاں اکیلا ......'' ابھی اگلا جملہ ان کے دماغ میں آنے ہی والا تھا کہ سامنے کی دیوار میں کچھ چنگاریوں کے مانند تنکے گردش کرنے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دھندلے عکس نمایاں ہونے لگے۔ اُن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، وہ عکس دو خوب صورت بچوں میں تبدیل ہو گئے اور اُن کی معصوم آوازیں بلند ہوئیں، ''دادا جان سالگرہ مبارک ہو!''

''تم......؟'' انھوں نے اپنی باہیں پھیلا دیں اور دونوں بچے اُن کے سینے سے لگ گئے۔ ''تم دونوں اچانک یہاں کیسے پہنچ گئے؟''

''دادا جان! ہم تو چاند پر کھیل رہے تھے کہ دادی اماں کا میسیج ملا کہ آج تمھارے دادا جان کی سالگرہ ہے۔'' بارہ برس کے روشن نے دادا کو چھوڑ کر پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بتایا اور آٹھ برس کی روشنی نے دادا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہنا شروع کیا، ''دادی امّاں کا حکم تھا کہ تمھارے دادا اکیلے ہیں۔ سالگرہ کے دن اکیلا رہنا اُنھیں بالکل پسند نہیں ہے۔ جاؤ اور جا کر اُن کی سالگرہ سیلی بریٹ کرو...... اور بس ہم آ گئے۔''

''لیکن تم لوگ تو مریخ......!''

''دادا جان! چاند پر نیا اسکول قائم ہوا ہے۔ہم نے وہیں پر ایڈمیشن لیا ہے۔''

''اوہ......!'' خضر میاں نے حیرت سے بچوں کی جانب دیکھا۔

''دادا جان! آپ ہمارے ساتھ مریخ پر کیوں نہیں رہتے؟'' روشنی نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''بھائی! یہ Exit ہونے میں ہمیں بڑا ڈر لگتا ہے۔خدا نخواستہ ہمارے بدن کے ذرّات ایک جگہ جمع نہ ہوئے تو......؟''

''دادا جان! اِدھر سے اُدھر Exit ہونے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔بس ایک بار اس کے پروسیس سے گزرنا پڑتا ہے۔'' روشن اپنے دادا کو سمجھانے لگا۔''یہ ایک بٹن آپ کی کلائی میں لگا دیا جاتا ہے۔یہ دیکھیے......'' اُس نے اپنی کلائی دادا کے سامنے کر دی۔''بس جب بھی آپ کسی مقام پر جانا چاہیں، اُس شہر کا نام اور کوڈ نمبر کے ساتھ ہی ساتھ پتا بھی اس بٹن میں سیٹ کر دیں، وہ آپ کو وہاں تک پہنچا دے گا۔''

''نہیں بیٹے! ہم تو یہیں ٹھیک ہیں۔تم لوگوں کی محبت میں اگر یہ رِسک لے بھی لیں تو ہمارا دل اسی زمین میں لگا رہے گا۔''

''دِل......!'' روشنی نے حیرت سے دادا کی طرف دیکھا،''دادا جان! یہ دل کیا ہوتا ہے؟''

''اری بے وقوف! تمھیں دل نہیں معلوم؟'' روشن سمجھانے لگا،''دل ہمارے بدن میں وہ عضو ہے جس کے چار چیمبر ہوتے ہیں......''

''بیٹے! میں اُس دل کی بات نہیں کر رہا تھا جو ایک لوتھڑے کی مانند ہمارے جسم میں ہوتا ہے۔''

''پھر...... اور دل کیا ہوتا ہے؟'' روشن بھی حیرت سے خضر میاں کی طرف دیکھنے لگا۔

''دادا جان! کہاں کھو گئے آپ؟'' روشن نے انھیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

''دادی امّاں نے سالگرہ سیلی بریٹ کرنے کو کہا ہے۔ہم اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر آئے ہیں۔بس ذرا لگیج کا بٹن دبا دیں تو......''

''ارے ٹھہرو بچو! اس بار وہ سب رہنے دو۔آج ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اس زمین پر بیسویں صدی میں سالگرہ کس طرح منائی جاتی تھی۔'' دونوں بہن بھائی حیرت سے دادا جان کی طرف دیکھنے لگے۔

اور خضر میاں اُنھیں بتانے لگے،''بیٹا! اُن دنوں جس کی بھی سالگرہ ہوتی اُسے سب سے پہلے صبح صبح گرم گرم پانی سے خوب نہلایا جاتا۔''

''پانی سے نہلایا جاتا تھا؟'' روشن نے دادا کی بات کاٹی،''وہ اسٹیم باتھ کیوں نہیں کرتا تھا دادا جان؟ اُف کتنا زیادہ پانی ویسٹ ہوتا ہوگا۔''

''اُن دنوں زمین پر بہت پانی تھا بیٹے۔ہر گاؤں اور شہر میں ندیاں بہتی تھیں۔

''پانی کی ندیاں؟'' روشنی نے بھی حیرت کا اظہار کیا اور خضر میاں سوچنے لگے، بیٹے! تم کیا جانو؟ سنتے ہیں کہ کبھی اس زمین پر تو دودھ کی ندیاں بھی بہتی تھیں۔

''اور کیا کیا ہوتا تھا دادا جان؟''

''ایک بڑا سا کیک لایا جاتا۔اُس پر عمر کے مطابق موم بتیاں لگائی جاتیں۔سارا خاندان، دوست احباب جمع ہوتے تھے۔ تالیوں کی گونج اور سالگرہ مبارک کے شور میں کیک کاٹا جاتا اور پھر سب پلیٹوں میں اسے لے کر چمچے سے کھاتے۔'' دونوں بھائی بہن

ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔
''پلیٹوں میں لے کر چمچے سے کھاتے تھے!''
''ہاں ......اس کے بعد دستر خوان لگتا اور سب مزے مزے کے کھانے کھاتے۔''
''تو آج آپ بھی اپنی سالگرہ اسی طرح منائیں نا دادا جان ......'' روشن کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔
''اب تو یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے بیٹے۔''
''کیوں......؟''
خضر میاں نے ایک لمبی سانس لی،''اس لیے کہ اُس زمانے میں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ اناج پیدا ہوتا تھا اور اسی اناج سے قسم قسم کے پکوان پکائے جاتے تھے۔''
''دادا جان ! آپ کتنی حیرت انگیز باتیں ہمیں بتا رہے ہیں۔ یہ کھیتی باڑی کیا ہوتی تھی؟'' روشنی کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔
''کھیتی ...... بیٹے زمین کا ایک بڑا حصہ ہوتا تھا۔ اس پر کسان ہل چلاتا۔ آسمان سے برسات ہوتی۔ کسان زمین میں بیج بوتا۔ اُس سے پودے اُگتے۔ پھر اُن میں بالیاں لگتیں۔ وہ پکتیں۔ پھر کسان انھیں ایک جگہ جمع کرتا۔ اُن بالیوں سے اناج نکالتا، اسے صاف کرتا اور بوروں میں بھر بھر کر بازار لے آتا۔ لوگ انھیں خریدتے۔ گھروں میں چولہے سلگتے، اُن پر مزے مزے کے کھانے پکتے اور پھر سب پیٹ بھر کھاتے تھے۔''
''تب کتنا مزہ آتا ہوگا...... ہے نا دادا جان؟''
''میرے لال ! ہم نے بھی یہ سب کچھ بس کتابوں ہی میں پڑھا ہے۔'' خضر میاں بتانے لگے،'' کہتے ہیں کہ اُس وقت آدمی اس طرح فلیٹوں میں مقید نہیں ہوتا تھا۔ ہر فرقہ اپنا ایک مذہب بھی رکھتا تھا اور ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو خوشیوں کے نام پر کچھ تہوار بھی بخشے تھے۔ جب بھی یہ تہوار آتے پورے ملک میں چھٹی منائی جاتی۔ لوگ ایک دوسرے کے گھر جاتے ، ایک دوسرے کو تہوار کی مبارکباد پیش کرتے اور ساتھ مل بیٹھ کر کھانے کھاتے، خوشیاں مناتے تھے۔''
''دادا جان ! یہ مذہب کیا چیز تھا؟''
''آہ ...... مذہب ایک مکمل ضابطۂ حیات ......''
''تو کیا ہماری حیات اب کسی ضابطے کی پابند نہیں ہے؟''
دادا جان ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئے۔ ان کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ گویا وہ اُن ضابطوں کو ڈھونڈ رہے ہوں لیکن کوئی سرا اُن کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ ہر سمت انھیں نفسا نفسی ہی نظر آ رہی تھی۔ انسانی نسل پورے نظامِ شمسی میں پھیل چکی تھی۔ اب نہ کسی کے پیدا ہونے کی خوشی تھی نہ مرنے کا غم تھا۔ بس تعلقات ایک دوسرے تک پیغاموں میں محصور ہوگئے تھے۔ انھیں یاد آیا، ان کی بیوی نے بھی پلوٹو جانے کی اجازت نہیں بلکہ صرف اطلاع دی تھی۔ اس سائنس اور تکنالوجی کے دور میں دائمی رفاقتیں اپنی اہمیت کھو چکی ہیں۔ اس کے بعد وہ آج تک لوٹ کر نہیں آئی۔ لیکن سوچو تو کون سا کام رُکا ہے؛ کوئی بھی تو نہیں ...... اس کی محبت اسی طرح قائم ہے اور اس کے محبت بھرے پیغامات آتے رہتے ہیں۔ لڑکے نے بھی مریخ جانے کی اطلاع پہلے سے نہیں، وہاں پہنچ کر ہی دی تھی۔ بیٹی نے اپنے لیے کوئی ساتھی منتخب کرلیا تھا۔ خدا جانے وہ کس سیارے پر زندگی گزار رہی ہے۔ کوئی غیبی طاقت پورے عالم پر حکومت کر رہی ہے ورنہ کوئی قانون

ہے نہ کوئی گرفت۔ اچھائی اور برائی کی تمیز مٹ چکی ہے۔ جرم اور سزا کا تصور عنقا ہو چکا ہے۔ رشتوں سے نمک اور خلوص سے مٹھاس غائب ہو چکی ہے۔شاید میں بھی اب وہ نہیں رہا، مجھ میں بھی کہیں ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے اور کیا پتا......

ٹھیک اسی وقت مانیٹر نے دو بجنے کا اعلان کیا اور خضر میاں کو جیسے ایک دم یاد آ گیا اور اُنھوں نے بچوں سے کہا،''بچو! تم جب سے آئے ہو کچھ نہیں لیا۔ جاؤ......دوسرے کمرے میں کولڈر تیج رکھا ہوا ہے۔اس میں مختلف کھانوں کے tablets رکھے ہوئے ہیں۔ تمھیں جو بھی پسند ہو، لے لو اور کھا لو۔''

''دادا جان! آج ہم نے بھی طے کیا ہے کہ بھوک مٹانے کی خاطر ہم کوئی ٹیبلیٹ نہیں کھائیں گے۔'' دونوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔

''پھر؟'' خضر میاں نے حیرت کے ساتھ دونوں کی طرف دیکھا۔

''آج آپ ہمیں بیسویں صدی کا کوئی کھانا پکا کر کھلائیں۔''

خضر میاں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔''میرے بچو! یہ تو اب بہت مشکل ہے۔'' انھوں نے ۱۷۵ منزلہ عمارت سے نیچے کی طرف دیکھا،''ماضی بہت خوشگوار ہوتا ہے لیکن اسے دوبارہ واپس نہیں لایا جا سکتا۔ یہاں تمھاری سائنس اور تکنالوجی بھی فیل ہو جاتی ہے۔''

روشنی نے کہا،''دادا جان! ہم ماضی کو واپس نہیں لا سکتے لیکن اس کے تصور میں تو جی سکتے ہیں۔''

''دادا جان! آپ ہمیں اپنا اسٹور روم دِکھائیے تو سہی۔''

خضر میاں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ بچوں کے ساتھ اپنے اسٹور روم میں پہنچے اور مختلف ڈبوں اور برتنوں کو کھنگالنے لگے۔ایک کے بعد ایک ڈبا کھلتا جا رہا تھا اور برسوں پرانی اشیا ماضی کے کواڑ کھول رہی تھیں۔آخر وہ کسی طرح کچھ مٹھی چاول، مسور کی دال اور کھانا پکانے کے کچھ مسالوں کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔

اور پھر کچھ ہی دیر میں کھچڑی پک گئی اور اس کی سوندھی سوندھی خوشبو مہکنے لگی۔خضر میاں نے فرش پر دسترخوان بچھایا، پلیٹوں میں کھچڑی نکالی اور تینوں اُسے کھانے لگے۔کھچڑی کا مزہ اُن کے چہروں سے عیاں ہو رہا تھا۔کھاتے کھاتے روشن نے دادا سے پوچھا، ''دادا جان! کیا ہم دوبارہ اس طرح کے کھانے پکا کر نہیں کھا سکتے؟''

خضر میاں نے محبت بھری نظروں سے اپنے پوتے کی طرف دیکھا،''بیٹے! کھا تو سکتے ہیں لیکن اب کھیتی باڑی کون کرے گا؟''

روشن نے دادا کی طرف دیکھا اور پھر پورے اعتماد کے ساتھ کہا،''دادا جان! یہ کام میں کروں گا۔''

خضر میاں نے محبت بھری نظروں سے روشن کی طرف دیکھا۔عظیم ترین ترقی یافتہ دور کا آدمِ ثانی اُن کی نظروں کے سامنے تھا۔ اُس کے پُر اعتماد لہجے سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔اُنھوں نے اُسے پیار سے دیکھا اور بولے،''میرے لال! آج انسان ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا ساری کائنات میں پھیل گیا ہے۔تمھاری منزل کا راستہ مراجعت میں نہیں بلکہ اُس کہکشاں میں ہے جس کا راستہ تمھیں خود ہی تلاش کرنا ہے۔''

اچانک انھیں خیال آیا کہ بچوں کو واپس بھی جانا ہے۔اُنھوں نے فوراً کہا،''بیٹے! اب واپسی کا قصد کرو۔تمھارے ماں باپ پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

''دادا جان! یہ پریشانی کیا ہوتی ہے؟''

’’بیٹے ! یہ بھی میرے دل کی طرح کوئی چیز ہے جسے بیان کرنا بہت مشکل ہے۔‘‘

دونوں بہن بھائی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اپنی کلائی پر لگے ہوئے بٹنوں کو سیٹ کرنے لگے اور پھر پل بھر میں اُن کا وجود بے شمار چنگاریوں میں تبدیل ہو گیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

۱۷۵منزلہ عمارت کے فلیٹ کی کھڑکی سے لگے خضر میاں آسمان کی طرف دیکھنے لگے.......۔

6UVC1Q

****

۳ ڈاکوٗ طے کریں گے

م۔ناگ

جان پہچان : م۔ناگ کا اصل نام سیّد مختار ہے۔وہ یکم جولائی ۱۹۵۰ء کو مدھیہ پردیش کے ایک چھوٹے سے گاؤں ’سارابا‘ میں پیدا ہوئے۔وہ ناگپور میں پلے بڑھے، تعلیم حاصل کی اور روزگار کی تلاش میں ممبئی آ گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔اُردو دنیا میں وہ ایک منفرد افسانہ نگار کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ان کے افسانوں کی بڑی خوبی اُن کا طرزِ نگارش ہے۔ان کے جملوں کی بندش ستار پر تنے ہوئے تاروں کی طرح کسی ہوئی ہے۔ان کی نثر میں ایک خاص قسم کا آہنگ ہے جو قاری کے لہو میں ایک تھرکن کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ان کے افسانوں کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں؛ ’ڈاکوٗ طے کریں گے، غلط پتا اور چوتھی سیٹ کا مسافر‘۔مہاراشٹر اُردو اکیڈمی نے ان کے مجموعوں کو انعامات سے نوازا ہے۔وہ بطور صحافی کئی اخباروں سے وابستہ رہے۔۲۱/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

’ڈاکوٗ طے کریں گے‘ م۔ناگ کے منفرد لب و لہجے کا نمائندہ افسانہ ہے۔افسانے میں ریل کو ملک کا استعارہ بنایا گیا ہے۔خوف، بے یقینی اور بے بسی میں مبتلا مسافر ملک کے عوام ہو سکتے ہیں جنھیں نظر نہ آنے والے ڈاکوٗ نامعلوم منزل کی طرف ہانکے لیے جا رہے ہیں۔ یہ ڈاکوٗ کون ہیں؟ ملک کے بدعنوان سیاست داں یا وہ نام نہاد رہنما جن کے ہاتھوں میں قوم کی باگ ڈور ہے؟

آغاز سے انجام تک افسانے میں ایسا تناؤ ہے کہ لمحہ بہ لمحہ قاری کا اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔

’’سامان باندھ لو۔گھر نزدیک ہے۔‘‘ کوئی کہتا ہے اور جب کہنے والا نظر نہیں آتا تو میں سرپٹ بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے ہوئے مناظر دیکھنے لگتا ہوں ......میں تو کب سے یہ بھی نہ طے کر پا رہا ہوں کہ ٹرین بھاگ رہی ہے یا بھگائی جا رہی ہے۔مگر یہ تو فقط ایک ہی سوال ہے۔اور دوسرے کئی سوال جو سارے کمپارٹمنٹ میں چکر لگا رہے ہیں کہ ہم جا کس سمت میں رہے ہیں کہ یہ بے سمتی آخر کس منزل پر ختم ہوگی؟

......یہ ٹرین کب تک پہنچے گی؟

......آپ کو کہاں پہنچنا ہے؟

......کانپور

......کانپور اور ناگپور میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے، یہ دیکھیے۔

......ہمیں تو یہ بھی پتا نہیں کہ ٹرین جا کہاں رہی ہے؟ : شلوار
......ٹکٹ دیکھو! شاید ٹکٹ پہ لکھا ہو کہ تمھیں جانا کہاں ہے : دھوتی
......ٹکٹ پہ بھلا کب صحیح لکھا ہوتا ہے۔ٹکٹ پہ کچھ لکھا ہوتا ہے آدمی پہنچ کہیں اور جاتا ہے : پینٹ
......کیا تم کسی ریلی میں جا رہے ہو : دھوتی

...... ارے ہاں! اچھا یاد آیا۔ ریلی والوں سے پوچھ لو۔ کمپارٹمنٹ میں کوئی نہ کوئی ریلی والا ضرور مل جائے گا۔ یہ ٹرین ویسے بھی ریلی والوں کے لیے زیادہ چلتی ہے۔ چلو ریلی والوں کو ڈھونڈیں۔ وہ ہمیں بتا سکیں گے کہ ہم کس سمت کوچ کر رہے ہیں کہ کر بھی رہے ہیں یا نہیں؟ اور کہاں تک جائیں گے کہ جائیں گے بھی یا کہ نہیں؟ اور کب تک پہنچیں گے کہ پہنچیں گے بھی یا کہ نہیں۔

☆☆☆

چشمہ کتاب پڑھ رہا ہے۔
......ایکسکیوز می، کیا اس کتاب میں کہیں لکھا ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ : ساڑی
......میں وہی تلاش کر رہا ہوں : چشمہ
...... ملے تو مجھے بھی بتانا پلیز : شلوار

''سامان باندھ لو۔ گھر نزدیک ہے۔'' پھر کوئی کہتا ہے۔ وہ کون ہے؟ وہ کس کے لیے کہہ رہا ہے کہ سامان باندھ لو......مگر کوئی نظر نہیں آتا اور جب کوئی نظر نہیں آتا تو میں بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے مناظر دیکھنے لگتا ہوں۔ پیچھے کی طرف بھاگتی ہریالیاں اور ٹیلی فون کے تاروں پر بیٹھے پرندے۔ گھاٹیوں سے گزرتی ٹرین اور کالا آسمان ......وہ شہر گھپ اندھیروں میں گھرا میرا شہر! نہیں نہیں! میں اندھیرے میں سفر نہیں کروں گا۔ میں سارے دروازے اور کھڑکیاں کھول دینا چاہتا ہوں۔ مجھے ہوا کی سخت ضرورت ہے، ہوا کی اور روشنی کی!

......ٹرین ٹھیک چوبیس گھنٹے لیٹ ہے۔ کل کی ٹرین آج لگی ہے : پینٹ
...... آپ نے یہ سر پہ کفن کیوں باندھا ہوا ہے؟ : دھوتی
......کیا پتا کب کوئی حادثہ پیش آئے۔ ٹرین ٹرین سے بھڑ جائے : تلک والی پیشانی

☆☆☆

''سامان باندھ لو۔ گھر نزدیک ہے۔'' کون؟ کون؟ اچھا تو یہ سادھو مہاراج ہیں۔ میرے ساتھ دو چار لوگ اور بھی اُٹھے اور ہم نے اسے گھیر لیا۔ آناً فاناً اس کی تو دبوچ لیا۔

''بول! کہاں جا رہی ہے یہ ٹرین کہ جا بھی رہی ہے یا نہیں؟ ......کس نے طے کی ہے اس کی منزل کہ طے کی بھی ہے یا نہیں؟
......ہمیں کہاں کا ٹکٹ دیا گیا ہے کہ دیا گیا بھی ہے یا نہیں۔''

کئی سوال مگر سادھو کا ایک ہی جواب ''میں نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔''
''یہ جانتا ہے تبھی تو کہتا ہے ......سامان باندھ لو۔''
''بول نہیں تو دبا دوں گا گلا۔''

''تجھے کیا ضرورت ہے ہر کسی کے سامان بندھوانے کی؟ سامان کھلا پڑا ہے وہی اچھا ہے۔ کوئی کیا کیا باندھے اور کب تک

باندھے؟''

''کیا تمھیں کوئی سوال پریشان نہیں کرتا؟''

''نہیں......''

''کیوں نہیں؟ آخر تم جا کہاں رہے ہو؟''

''کہیں نہیں......چھوڑ دو مجھے۔''

''مشکل تو ہم لوگوں کی ہے۔'' پینٹ کہتا ہے،''جو کہیں جانے کے لیے نکلے، کہیں پہنچنے کے لیے مگر کہیں پہنچ نہیں پا رہے ہیں۔ کب سے نکلے اب تو ٹھیک ٹھیک کچھ یاد بھی نہیں...''

کیا ڈرائیور یہ جانتا ہے کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے؟ : ایک آواز

تبھی کہتا ہے سونے کی زنجیر والا گلا ''ٹھہرو......فکر کیوں کرتے ہو۔ابھی ڈاکو آئیں گے وہی طے کریں گے کہ ہماری منزل کہاں ہے۔''

''ڈاکو!!''

یہ ڈاکو کون ہوتے ہیں جی ہماری منزل طے کرنے والے : ہیرے کی انگوٹھی والا ہاتھ

ڈاکو......ڈاکو ہوتے ہیں......وہ ایک طاقت ہوتے ہیں : کڑے والا ہاتھ

وہی لکھیں گے ہمارے نصیب : سونے کی زنجیر والا گلا

نصیب! اُف خدایا : کالی ٹوپی

لکھ ہی رہے ہیں۔ باقی کیا بچا ہے : کالا کوٹ

کیا ڈرائیور یہ جانتا ہے کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے : پہلا

یہ کون کانٹے بدل رہا ہے؟ یہ کون سگنل دے رہا ہے؟ : دوسرا

ہم سے بنا پوچھے۔ یہ کون ہمیں دوڑائے لیے جا رہا ہے : تیسرا

مزا آ رہا ہے نا؟......ایسا ہی ہوتا ہے سفر : پہلا

ٹرین والے کیا آپ کے نوکر ہیں کہ بتاتے پھریں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں : کنڈکٹر

......دھائیں، دھائیں!

سارے لوگ چپ، صرف ٹرین کی گڑگڑاہٹ!

''چپ چاپ جو کچھ بھی ہے ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ بھوُن دیے جاؤ گے۔''

دھائیں، دھائیں!!

''یہ ڈاکو کہاں سے آ گئے؟ ٹرین تو کہیں رُکی نہیں۔ پھر یہ ڈاکو کہاں سے آ گئے۔''

''یہ ہمارے ساتھ ہی چلے تھے۔ یہ ہمارے ہم سفر ہیں۔ یہ ہماری جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ یہ کہیں باہر سے نہیں آئے ہیں، کیا سمجھے ...... نہیں سمجھے؟''

''اجی سرکار! ہم تو کب سے منتظر تھے کہ آپ آئیں اور ہمیں لوٹ لیں۔ ہماری عزّت، دھن دولت ...... ہم تو کب سے منتظر

تھے ...... مگر ہماری منزل ضرور طے کردیں!''

سرپٹ بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے مناظر۔ایک ٹوٹا پھوٹا Abandoned گھر گزر گیا۔وہ منظر کہ بڑی بڑی کٹورا آنکھیں کہتی ہیں : کیا تم جانتے ہو Potassium کو پانی میں ڈال دیا جائے یا Calcium کو ہوا میں چھوڑ دیا جائے تو Silent combustion ہوتا ہے اور آواز نہیں آتی۔اسی طرح دل جلتا ہے، دل ٹوٹتا ہے اور آواز نہیں آتی۔آوازیں تو مشینوں سے نکلتی ہیں اور بھونپو سے اور گولیوں سے!

دھیرے دھیرے یادوں کا اُپلا سلگ رہا ہے اور اندھیرا......گھپ اندھیرا چاروں سمت پھیلتا جارہا ہے۔ماچس ڈھونڈنے والا ہاتھ خاموش ہے۔ماچس مل بھی گئی تو کیا موم بتی اتنی آسانی سے مل جائے گی!

دھائیں ، دھائیں !!

''ڈاکو آئے۔ڈاکو آئے۔''

''سب کچھ ہمارے حوالے کردو ورنہ بھوُن دیے جاؤ گے۔''

''بھوُننے کی کیا ضرورت ہے۔سب کچھ بھُنا بھُنایا ہے جی۔''

☆☆☆

کھڑکیوں سے باہر رات گھر آئی ہے۔ٹرین سرپٹ بھاگ رہی ہے جیسے کوئی اس کے پیچھے چابک لیے پڑا ہو اور دوڑائے جارہا ہو!

''طے ہوگیا......طے ہوگیا۔''

''لیجیے ایک جھٹکے میں طے ہوگیا۔''

''کیا طے ہوگیا؟''

''یہی کہ ہم کہاں جارہے ہیں کہ جا بھی رہے ہیں یا کہ نہیں، کہ ہماری سمت کون سی ہے کہ ہے بھی یا کہ نہیں!''

خدا کا شکر ہے : کوٹ

چلو،ان سوالوں سے نجات تو ملی : پینٹ

خدا ڈاکوؤں کا بھلا کرے!: ٹوپی

''دوستو! ہم پھر وہیں لوٹ رہے ہیں جہاں سے چلے تھے۔ڈاکوؤں نے بندوق کی نال پر ہماری منزل طے کردی ہے۔ہم سب ان کے آبھاری ہیں!''

****

6V583D

مشق

آخری خواہش

۱۔ افسانے کے مرکزی خیال کومختصراً بیان کیجیے۔
۲۔ افسانے کےمرکزی کردار کا حلیہ اپنےلفظوں میں بیان کیجیے۔
۳۔ افسانے کے پہلے جملے :''ہجور! آخری خواہش ....
کھانے کو دیں۔''
اور آخری جملے :''تو صاحب .... یہ کھانا بھی اُن کو دے دیجیے گا۔'' کے ربط کو بیان کیجیے۔
۴۔ پرما کو پھانسی دینے سے پہلے کی کارروائی اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
۵۔ 'کیا واقعی پرما قصوروار تھا؟' اپنی رائے دیجیے۔
۶۔ افسانے کا عنوان موزوں ہے یا نہیں؟ دونوں کے لیے وجہ بیان کیجیے۔

۱۹/ مارچ ۲۱۵۰ء

* **مختصراً بیان کیجیے۔**

۱۔ خضر میاں کے زمین پر تنہا رہ جانے کی وجہ بیان کیجیے۔
۲۔ خضر میاں کے افرادِ خانہ کی مختصراً معلومات دیجیے۔
۳۔ 'دل' اور 'پریشانی' کی تشریح کیجیے۔
۴۔ افسانے کے حوالے سے Exit کے عمل کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔
۵۔ 'یہ کھیتی باڑی کیا ہوتی ہے؟' خضر میاں کے جواب کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
۶۔ آپ کی رائے میں افسانہ دلچسپ ہے / غیر دلچسپ ہے؟ وجوہات لکھیے۔

ڈاکو طے کریں گے

* **مختصراً بیان کیجیے۔**

۱۔ م۔ ناگ کا اصل نام لکھیے۔
۲۔ م۔ ناگ کی کتابوں کے نام لکھیے۔

* **سبق کی مدد سے وضاحت کیجیے۔**

۱۔ کانپور اور ناگپور میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔
۲۔ ٹرین چوبیس گھنٹہ لیٹ ہے۔کل کی ٹرین آج لگی ہے۔
۳۔ سرپٹ بھاگتی ٹرین سے ماضی ہوتے مناظر دیکھنے لگتا ہوں۔
۴۔ بھُوننے کی کیا ضرورت ہے۔سب کچھ بھُنا بھُنایا ہے جی۔
۵۔ ڈاکوؤں نے بندوق کی نال پر ہماری منزل طے کردی ہے۔

* **سبق کی روشنی میں صحیح لفظوں کا انتخاب کرکے خانہ پُری کیجیے۔**

۱۔ سامان باندھ لو ....نزدیک ہے۔
(گاؤں ، اسٹیشن ، گھر)
۲۔ یہ بے سمتی آخر کس .... پر ختم ہوگی؟
(جگہ ، مقام ، منزل)
۳۔ دھیرے دھیرے یادوں کا........سلگ رہا ہے۔
(ایندھن ، کوئلہ ، اُپلا)
۴۔ وہی لکھیں گے ہمارے ....
(نصیب ، کام ، نام)
۵۔ جو کچھ بھی ہے ہمارے حوالے کردو ورنہ.......... دیے جاؤ گے۔
(بھگا ، بھوُن ، مار)

نمونہ سرگرمی نامہ (ماڈل ایکٹیویٹی شیٹ)

اُردو زبانِ اوّل

وقت : ۳ گھنٹے | نمبرات : ۱۰۰

نویں جماعت

ہدایت : اساتذہ دسویں جماعت کے موجودہ پیٹرن کے مطابق بورڈ کے منظور شدہ نمبرات کے مطابق سرگرمی نامہ تیار کریں۔

(1) حصہ اوّل : نثر (کل نمبرات : ۲۴)

(1) (الف) : درج ذیل درسی اقتباس کا بغور مطالعہ کر کے دی ہوئی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ **[8]**

(۱) شبکی خاکہ مکمل کیجیے : (2)

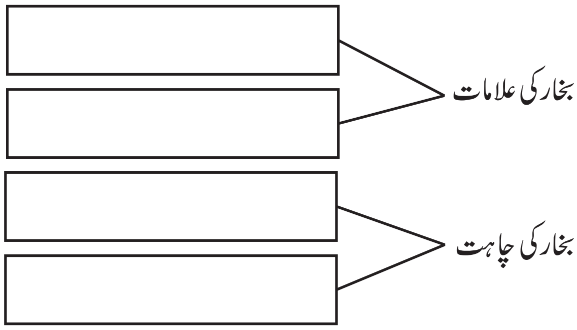

ہماری شخصیت کے وہ عناصر جن کو عدم توجہی اور زمانے کی ناقدری کا احساس بے قرار رکھتا ہے، جسم کے اندر ایک جگہ جمع ہونے لگتے ہیں۔ ایسے تمام بے کل اجزا کا مجمع جسم کے شہر میں 'بند' کا نعرہ لگا کر ہڑتال پر نکل پڑتا ہے تب جسم و جاں سلگنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات چھینکوں پر چھینکیں آتی ہیں، ٹانسل بڑھ جاتے ہیں، دردِ سر ہمارے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔ تب ہمارے آس پاس موجود لوگ چونک پڑتے ہیں، دوڑے دوڑے آتے ہیں، خیریت دریافت کرتے ہیں، ارے! کیا ہوا؟ بھئی بخار کیسے آ گیا؟ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ اس قدر دوڑ دھوپ کرنا اچھا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اندھا کیا چاہے ...دو آنکھیں! ہمارے اندر چھپا بیٹھا بخار بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی ہماری محنت و مشقت کا اعتراف کرے، ہمارے حال پر ترس کھا کر ہمدردی کے دو میٹھے بول سے ہمارا کلیجا ٹھنڈا کرے۔ عام حالت میں یہ ساری فضا مفقود تھی۔ بخار کے آتے ہی موسم بدل جاتا ہے۔

بخار کی آمد سے پہلے اور اس کے جانے کے بعد لوگ ہمیں اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی اخبار پر سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ جائے۔ بخار کے آتے ہی ہم ایک خاص خبر بن جاتے ہیں۔ زندگی کا اصل مزا تو انھی لمحات میں ہے جب آپ کسی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ بخار کی حالت میں ہمارے عزیز و اقارب اور دوست ہمارے قریب آ جاتے ہیں۔ ان کے چہروں پر محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات اُبھرنے لگتے ہیں۔ اس حالت میں ہم سے ملنے والا ہر شخص ایک نیا انسان ہوتا ہے۔ کوئی چیز تھی جو لوگوں میں چھپی ہوئی تھی۔ بخار اسے بہزار حیلے ڈھونڈ نہ نکالتا تو وہ آپ کو کبھی نظر نہ آتی۔

(۲) اندھا کیا چاہے ...دو آنکھیں! اقتباس کی روشنی میں واضح کیجیے۔ (2)

(۳) خط کشیدہ لفظ کے لیے مناسب محاورہ لکھیے۔

i) اس قدر محنت کرنا اچھا نہیں۔ (1)

ii) دو میٹھے بول سے ہمیں خوشی دے۔ (1)

(۴) بخار کے آتے ہی ہم ایک خاص خبر بن جاتے ہیں۔ اس جملے سے متعلق اپنی رائے دیجیے۔ (2)

(1) (ب) : درج ذیل درسی اقتباس کا بغور مطالعہ کر کے دی ہوئی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ [8]

(ا) دو دریاؤں کے نام (2)

دو ساحلوں کے نام

۹/اپریل سات بجے صبح : سبحان اللہ، سبحان اللہ! ہم کس خطے میں جا رہے ہیں، رات بھر ہی میں یہ کیا طلسم ہوگیا! جہاز کی دونوں جانب کیسا دلکش منظر ہے۔ دو طرفہ خرمے کے درختوں کی مسلسل قطاریں ہیں اور ان کے پیچھے اور نیچے گلاب اور نارنگی اور انار کے درخت ہیں، جو پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور جہاں تک نگاہ دوربین کے ذریعے سے کام کرتی ہے، یہ مارے خوشی کے پاگل کر دینے والا منظر سامنے ہے۔ اور میں حقیقت میں تھوڑی دیر کے لیے پاگل ہوگیا تھا۔ جہاز پر دوڑا دوڑا پھرتا ہوں، کبھی اس طرف کے منظر کو دیکھتا ہوں، کبھی اس طرف کے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا سفینہ سمندر چھوڑ کر دجلہ اور فرات کے مجموعۂ پانی کے سینے پر چل رہا ہے اور ایک طرف ساحلِ ترکی ہے اور دوسری طرف ایرانی۔

یہاں اس دریا کے کنارے سوائے گھنے، اونچے اور سرسبز درختوں اور پھولوں کے آپ اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اوپر آسمان ہے، نیچے پانی ہے اور دائیں بائیں نظر کو یہ درخت روک رہے ہیں اور یہ سلسلہ میں سنتا ہوں کہ یہاں سے بغداد تک یعنی چار سو میل تک قائم ہے۔ شاید لوگ خرمے کے درختوں کی اس قدر تعریف سن کر زیرِ لب مسکرائیں گے، مگر یہ خیال رہے کہ یہ سوڈان کے خرمے کے درخت نہیں ہیں کہ چار پانچ ایک جگہ کھڑے ہیں اور اردگرد سیکڑوں میل تک ریت کا چٹیل میدان ہے۔ یہ عراقین کے نخلستان اور خرمستان ہیں جن کے سایے میں ہر قسم کے پھول اور پھل لگے ہوئے ہیں اور دماغ کو معطر کر رہے ہیں۔

(۲) سوڈان کے خرمے کے درخت اور عراقین کے نخلستان اور خرمستان کا موازنہ اپنے الفاظ میں کیجیے۔ (2)

(۳) (i) نارنگی اور انار کے درخت ہیں، جو پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ (جملے کی قسم لکھیے۔) (1)

(ii) یہ سوڈان کے خرمے کے درخت نہیں ہیں کہ چار پانچ ایک جگہ کھڑے ہوں۔ (خط کشیدہ صفت کی قسم پہچانیے۔) (1)

(۴) مصنف کے خوشی کے اظہار پر اپنی رائے لکھیے۔ (2)

(1) (ج) : غیر درسی اقتباس کا بغور مطالعہ کر کے دی ہوئی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ [8]

(ا) اقتباس کی مدد سے دیے ہوئے خاکے کو مکمل کیجیے۔ (2)

'تعصب' سے متعلق مناسب جملے

انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی بدخصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے۔ متعصب گو اپنی زبان سے نہ کہے مگر اس کا طریقہ یہ بات بتلاتا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائلِ انسانی میں سے ہے، اس میں نہیں ہے۔ متعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصب کے سبب اس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اس کا تعصب اس کے برخلاف بات کے سننے اور سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے بلکہ سچی اور سیدھی راہ پر ہے تو اس کے فائدے اور اس کی نیکی کو پھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیونکہ اس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کا موقع نہیں ملتا۔

تعصب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجھتا ہے، مگر صرف تعصب سے اس کو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ برائی میں گرفتار اور بھلائی سے بیزار رہتا ہے۔

(۲) ’تعصب بدترین خصلت ہے۔‘‘ اس جملے کی وضاحت کیجیے۔ (2)

(۳) (i) دیے ہوئے الفاظ کی عربی جمع لکھیے : خصلت ، فائدہ (1)

(ii) اقتباس سے ’واوِ عطف‘ کی دو ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔ (1)

(۴) متعصب شخص کے بارے میں اپنی رائے لکھیے۔ (2)

(2) حصہ دوم : نظم (کل نمبرات : ۲۰)

(2) (الف) درج ذیل نظم کا بغور مطالعہ کر کے دی ہوئی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ **[8]**

(۱) دیے ہوئے لفظوں کے سامنے نظم سے ان کے معنی والے لفظ تلاش کر کے لکھیے۔ (2)

(i) کمزور و لاغر .... (ii) لعنت ....

(iii) گزرا ہوا زمانہ .... (iv) تعریف ....

چاروں طرف سے بند ہے صندوق کی طرح　　چلنے سے پہلے اُچھلے ہے بندوق کی طرح
لیتی ہے لمبی سانس بھی مدقوق کی طرح　　چلتی ہے وہ سڑک پہ بھی معشوق کی طرح
اُڑ جائے تو قدم نہ اُٹھائے برائے سیر
چل جائے تو رُکے نہ وہ دیوار کے بغیر
پھٹکار ایسی کار کے ، ساغؔر ، خیال پر　　روتا ہے پھوٹ پھوٹ کے ماضی بھی حال پر
کہنے پڑے قصیدے کئی جس کی چال پر　　کچھوا ہے وہ چڑھائی پہ ، ہرنی ہے ڈھال پر
اکثر مرے گھٹانے پہ اسپیڈ بڑھ گئی
اُڑ کر سڑک سے چاٹ کے ٹھیلے پہ چڑھ گئی
کیا کہیے جس طرح مرے جی کو جلائے ہے　　آگے کو میں چلاؤں ، وہ پیچھے کو جائے ہے
مرغی کی طرح دھول پروں سے اُڑائے ہے　　سو بار دن میں جیل کے رستے دِکھائے ہے
ہے کار کس کے پاس جو اتنی قدیم ہو
آئے جو باپ سامنے ، بیٹا یتیم ہو

(۲) شاعر کی کار کے بارے میں لکھیے۔ (2)

(۳) درج ذیل شعر کا مطلب واضح کیجیے۔ (2)

ہے کار کس کے پاس جو اتنی قدیم ہو
آئے جو باپ سامنے ، بیٹا یتیم ہو

(۴) ’ہم نے کار خریدی‘ ساغؔر خیامی کی اس نظم سے ایک شعر منتخب کیجیے اور اس شعر کی روشنی میں کار کے بارے میں اپنی رائے لکھیے۔ (2)

(2) (ب) دی ہوئی غزل کو بغور پڑھ کر ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ **[8]**

(۱) غزل کے حوالے سے درج ذیل خاکہ مکمل کیجیے۔ (2)

غزل سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں

غزل

عہدِ غم ، موسمِ گل ، حرفِ وفا یاد نہیں	کیا بتائیں تجھے اے دل ہمیں کیا یاد نہیں
جس نے کہرام سا سینے میں مچا رکھا تھا	اب تو اس دل کے دھڑکنے کی ادا یاد نہیں
قافلہ تھا کہ نہیں ، ہم سفراں تھے کہ نہیں	کوئی آوازِ درا ، کوئی صدا یاد نہیں
تیرا بسنا تو کہاں یاد ہو اس موسم میں	دلِ وحشی ترے لُٹنے کی فضا یاد نہیں
کیا کریں شکوۂ اربابِ سیاست ، اے دل	دوست داروں کی عنایت کا گِلہ یاد نہیں
دے تو سکتے تھے جوابِ ستم دوست مگر	کیا کریں ، ہم کو کوئی طرزِ جفا یاد نہیں

کون تھے ، کیا تھے ، کہاں تھے ، ہمیں کس کی تھی طلب
خود ہمیں اپنی ہی ہستی کا پتا یاد نہیں

(۲) 'جس نے کہرام سا سینے میں مچا رکھا تھا' کے مفہوم کو واضح کیجیے۔ (2)

(۳) دوست داروں کی عنایت کا گلہ یاد کرنے کی وجہ بیان کیجیے۔ (2)

(۴) اربابِ سیاست کے رویے پر اظہارِ خیال کیجیے۔ (2)

(2) (ج) درج ذیل شعر سے متعلق استحسانی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ **[4]**

خلوصِ دل میں لیے کارواں کے ساتھ چلو
مسافرو ! چلو عزمِ گراں کے ساتھ چلو

(۱) درج بالا شعر جس صنف سے ماخوذ ہے، اُس صنف کا نام لکھیے ۔ (1)

(۲) شعر کے خالق کا نام اور تخلص لکھیے ۔ (1)

(۳) شعر سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے ... (1)

(۴) یہ شعر مجھے پسند/ ناپسند ہے کیونکہ ... (1)

(3) حصہ سوم : اضافی مطالعہ (کل نمبرات : ۶)

(3) درج ذیل سرگرمیوں سے دو سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ **[6]**

(i) افسانہ 'آخری خواہش' کا مرکزی کردار 'پرما' کے بارے میں لکھیے ۔ (3)

(ii) افسانہ '۱۹/ مارچ ۲۱۵۰ء' آپ کی رائے میں دلچسپ/ غیر دلچسپ ہے۔ وجوہات لکھیے ۔ (3)

(iii) 'ڈاکو طے کریں گے' م۔ ناگ کے اس افسانے کے بارے میں تجزیاتی نوٹ لکھیے ۔ (3)

(4) حصہ چہارم : قواعد (کل نمبرات : ۲۰)

(4) (الف) ہدایات کے مطابق سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ **[10]**

(۱) ذیل کے محاوروں سے بامعنی جملے بنائیے۔ (2)

(الف) دوڑا دوڑا پھرنا (ب) کلیجا ٹھنڈا کرنا

(۲) ذیل کی کہاوتوں کے معنی لکھیے۔ (2)

(الف) مالِ مفت دلِ بے رحم

(ب) آدمی کا شیطان آدمی ہے

(۳) درج ذیل جملوں میں مفرد، مرکب اور مخلوط جملوں کی شناخت کیجیے۔ (کوئی دو) (2)

(الف) جس کے ہاتھ جو لگا لے کر چلتا بنا۔

(ب) کئی مہینے اس فراغت سے گزرے کہ پانو اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

(ج) وہ ممبئی گیا اور جلد ہی واپس آ گیا۔

(۴) درج ذیل اشعار میں استعمال کی گئی صنعتوں کے نام لکھیے۔ (2)

(الف) دوست دشمن یہی بناتی ہے
آدمی کی زبان ہے، سچ ہے

(ب) قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(۵) درج ذیل کے لیے ایک لفظ لکھ کر تعریف مکمل کیجیے۔ (2)

(الف) ایسی نظم جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف بیان کی جائے۔

(ب) ایسی نظم جس میں چار مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔

(4) (ب) ہدایت کے مطابق سرگرمی مکمل کیجیے۔ **[10]**

(i) ان کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ (جملے کے اجزا مبتدا اور خبر الگ الگ کر کے لکھیے۔) (1)

(ii) میں نے بہت دیر اس کا انتظار کیا.................وہ مجھ سے ملنے نہ آیا۔ (اور ، مگر ، پھر) (1)
قوس سے مناسب لفظ کا انتخاب کر کے مرکب جملہ بنائیے۔

(iii) ہم تمھاری داستان سننا چاہتے ہیں۔ (جملے میں اصلی/ معاون/ ناقص فعل کی نشاندہی کیجیے۔) (1)

(iv) درج ذیل جملوں سے 'متعدی فعل' کا جملہ تلاش کر کے لکھیے۔ (1)
☆ ہماری ساری مصیبتیں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہے۔
☆ کاتب نے لکھا۔
☆ وہ خاص عربی حروف ادا نہیں کر سکتے۔

(v) حرفِ عطف 'مگر' سے جوڑ کر مکمل بامعنی جملہ لکھیے۔ (1)

(vi) واوِ عطف کی دو مثالیں لکھیے۔ (1)

(vii) ایک بہن اور تھی جو سسرال میں رہتی تھی۔ (تابع فقرہ الگ کر کے لکھیے۔) (1)

(viii) دولت کمانے اور سینت سینت کر رکھنے کے لیے انھوں نے کبھی تجارت نہیں کی۔ (1)
خط کشیدہ لفظ کا ہم معنی اس طرح استعمال کیجیے کہ جملے کا مفہوم تبدیل نہ ہو۔

(ix) 'پانی پلانے والا' اس فقرے کے لیے ایک لفظ لکھیے۔ (1)

(x) دیے گئے الفاظ کو لفظی ترکیب میں تبدیل کیجیے۔ (1)

(۱) شب کی ظلمت

(۲) دریا کی موج

(5) حصہ پنجم : تحریری مہارت (کل نمبرات : ۳۰)

(5) (الف) درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

سیر سے متعلق اسکول کے نوٹس بورڈ پر درج اعلان کو پڑھیے اور اپنے چچازاد/ ماموں زاد بھائی/ بہن کو خط لکھیے۔ [5]

اطلاع

۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۷ء

نہم جماعت میں زیرِ تعلیم تمام طلبہ و طالبات کو اطلاع دی جاتی ہے کہ امسال پہلی میقات کے اختتام کے فوراً بعد تعلیمی سیر کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ خواہش مند طلبہ و طالبات متعلقہ اساتذہ/ کلاس ٹیچر سے رابطہ قائم کریں۔

طلبہ کے لیے	طالبات کے لیے
مقامات : دہلی، آگرہ، جے پور، اجمیر	مقامات : حیدرآباد، چار مینار، راموجی فلم سٹی، سالار جنگ میوزیم
متوقع تاریخ : ۲۴/ اکتوبر۔ سات دن کا سفر	متوقع تاریخ : ۲۴/ اکتوبر۔ پانچ دن کا سفر
بذریعہ ریل	بذریعہ ریل
اخراجات : -/2500 روپے	اخراجات : -/2000 روپے

ٹور انچارج : مسٹر زیدی سر

بحکم پرنسپل

(5) (الف) (۲) دیے ہوئے اقتباس کا بغور مطالعہ کیجیے اور خلاصہ لکھیے۔ [5]

۱۹۷۶ء میں میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ اپنی پیری کی وجہ سے ان کی صحت بہت عرصے سے خراب تھی۔ جب بھی مجھے اپنے والد کی ناسازیٔ صحت کا علم ہوتا میں رامیشورم جاتا اور شہر سے ایک ڈاکٹر کو ساتھ لے لیتا۔ ہر مرتبہ میں یہی کرتا اور وہ مجھے میری غیر ضروری تشویش پر ڈانٹ پلاتے اور ڈاکٹر پر جو صرفہ آتا اس پر ان کی تقریر شروع ہو جاتی۔

''تمھارا آنا ہی میرے ٹھیک ہو جانے کے لیے کافی ہے۔ اپنے ساتھ ڈاکٹر کو کیوں لاتے ہو اور اس کی فیس ادا کرتے ہو؟'' وہ مجھ سے پوچھتے لیکن اس بار ڈاکٹر، خیال اور روپے کی صلاحیتوں سے وہ کہیں دور چلے گئے تھے۔ میرے والد جینل العابدین (زین العابدین) جو رامیشورم کے جزیرے میں ۱۰۲ سال زندہ رہے، انتقال کر گئے اور اپنے پیچھے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کو چھوڑ گئے۔ انھوں نے ایک مثالی زندگی گزاری تھی۔ دنیاوی اعتبار سے یہ ایک بزرگ انسان کی موت تھی۔ عوامی سطح پر نہ کوئی سوگ منایا گیا، نہ جھنڈے سرنگوں کیے گئے اور نہ کسی اخبار میں ہی ان کی موت کی خبر چھپی۔ وہ سیاستداں تھے نہ دانشور اور نہ تاجر۔ بس وہ تو ایک سادہ سے بے ریا انسان تھے۔ انھوں نے ہر اُس چیز کی حوصلہ افزائی کی جو شریف، ملکوتی اور دانائی سے پُر اور اعلیٰ تھی۔

(5) (ب) (ا) درج ذیل میں سے کوئی دو سرگرمیاں مکمل کیجیے۔ **[12]**

(۱) دیے ہوئے نکات کی مدد سے اشتہار بنائیے۔ (6)

ریڈی میڈ ملبوسات-خواتین اور مردوں کے لیے - برسات کا خصوصی آفر - %20 سے %50 تک رعایت - 7500 روپوں کی خریداری پر خاص تحفہ - لکی ڈرا/تحفہ یقینی - دکان کا نام - پتا - تاریخ - کمپنیوں کے نام - پرکشش اعلانات۔

(۲) ذیل میں دیے ہوئے نکات کی مدد سے خبر بنائیے۔ (6)

ریاست مہاراشٹر ......محکمہ تعلیم کا فرمان ......اسکول انتظامیہ کو ہدایت ......اداروں میں سی سی ٹی وی کیمرے ......اسکول کا احاطہ ...... کمرۂ جماعت ......اندرون چھے ماہ نفاذ ضروری ......طلبہ کی حفاظت ضروری ......حکم کی تعمیل نہ کرنے پر کارروائی۔

(۳) درج ذیل نکات کی مدد سے کہانی تحریر کیجیے۔ (6)

امیر والدین کا بیٹا ...... بے تحاشہ فضول خرچی ...... پان، گٹکا، تمباکو کی لت ......مسلسل استعمال ......منہ کے امراض ...... صحت کی خرابی ...... افسوس ......عزم ...... نشے کی لت سے ہر ایک کو بچایا جائے ...... پیغام ......نعرہ

(5) (ج) : کوئی ایک سرگرمی مکمل کیجیے۔ **[8]**

(۱) 'کالا دھن-حقیقت یا افسانہ' موضوع پر نوٹ بندی کے تناظر میں مضمون لکھیے۔

(۲) قرض سے پریشان کسان کی آپ بیتی لکھیے۔

(۳) سیلفی لیتے ہوئے ایک نوجوان اچانک سمندر میں گر گیا اور ڈوبنے لگا... اِس واقعے کو قلم بند کیجیے۔

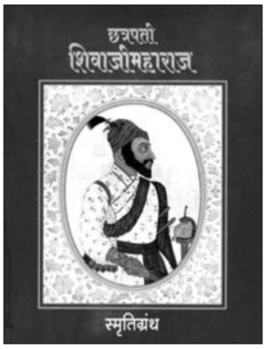

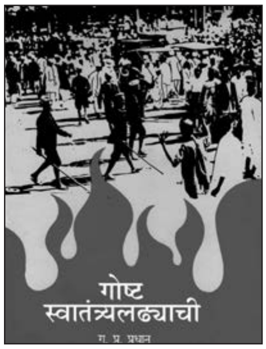

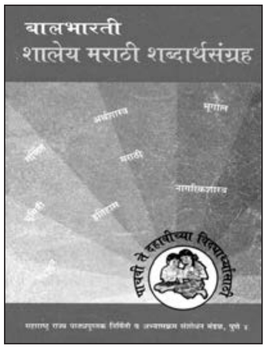

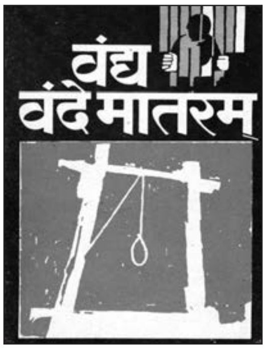

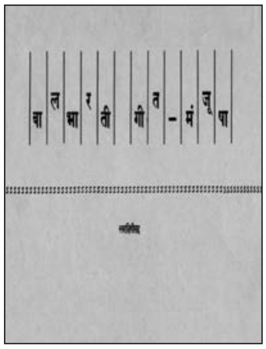

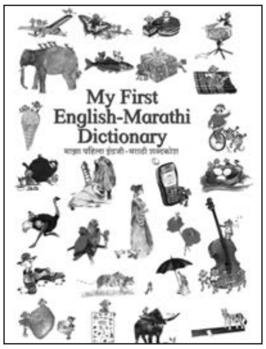

- पाठ्यपुस्तक मंडळाची वैशिष्ट्यपूर्ण पाठ्येत्तर प्रकाशने.
- नामवंत लेखक, कवी, विचारवंत यांच्या साहित्याचा समावेश.
- शालेय स्तरावर पूरक वाचनासाठी उपयुक्त.

पुस्तक मागणीसाठी www.ebalbharati.in, www.balbharati.in संकेत स्थळावर भेट द्या.

साहित्य पाठ्यपुस्तक मंडळाच्या विभागीय भांडारांमध्ये विक्रीसाठी उपलब्ध आहे.

ebalbharati

विभागीय भांडारे संपर्क क्रमांक : पुणे - ☎ २५६५९४६५, कोल्हापूर- ☎ २४६८५७६, मुंबई (गोरेगाव) - ☎ २८७७१८४२, पनवेल - ☎ २७४६२६४६५, नाशिक - ☎ २३९१५११, औरंगाबाद - ☎ २३३२१७१, नागपूर - ☎ २५४७७१६/२५२३०७८, लातूर - ☎ २२०९३०, अमरावती - ☎ २५३०९६५

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

उर्दू कुमारभारती इयत्ता ९ वी (उर्दू माध्यम)

₹ 65.00